…پستک پرچار ٹریکٹ نمبر ۱۵

اوم

جوہر تہذیب

…نگرانی و اہتمام مہاشہ وزیر چند ادھشٹاتا آریہ پستک پرچار

…

قائم کردہ

…کمیٹی آریہ پرتی ندھی سبھا پنجاب تیار ہو کر

شائع ہوا

…سمبت ۱۹۶۲ مطابق سنہ ۱۹۰۵ عیسوی

ست دھرم پرچارک پریس جالندھر

۱

اوم

جوہر تہذیب

تمہید

ہم دیکھتے ہیں۔ کہ ایک عرصہ دراز سے آریہ ورت کے نوجوان انگریزی تعلیم یافتہ جماعت میں تہذیب کے متعلق عجیب و غریب خیالات پائے جاتے ہیں۔ اور یہ خیالات ایسے ہیں۔ کہ جن کو قطعی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ گو بہت سے بیہودہ ہیں۔ مگر تاہم وہ نوجوانوں کی رہنمائی میں بہت بڑا کام دیتے ہیں۔ انہیں عجیب و غریب خیالات کا یہ نتیجہ ہے۔ کہ ہمارے تعلیم یافتہ اصحاب یہ کہتے ہوئے ذرا نہیں جھجکتے۔ کہ اس وقت دُنیا میں جو کچھ تہذیب و اخلاق کے سامان نظر

آ رہے ہیں۔ وہ یورپ کے فلاسفروں کے دماغ کی
فتوحات ہیں۔ اُن کا قول ہے کہ اُنیسویں صدی میں
تہذیب بامِ عروج تک پہنچی ہے۔ اس سے پہلے
تمام دُنیا میں اخلاق کا معیار اور اخلاق کا درجہ ادنیٰ
تھا۔ جب اُن سے یہ دریافت کیا جاتا ہے کہ تہذیب سے
آپ کی کیا مراد ہے۔ تو وہ اس کی بہت ہی پیچیدہ اور
مہمل تعریف کرتے ہیں۔ کوئی صاحب یہ فرماتے ہیں۔
کہ کوئی قوم ترقی نہیں کرسکتی جب تک کہ اس میں اعلیٰ
درجہ کے فلاسفر نہ ہوں۔ اور اُس کا علم ادب با وقعت
نہ ہو۔ کوئی صاحب یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ جب تک
ہم میں خیالات کی یگانگت پیدا نہیں ہوتی تب تک
اصلی ترقی کی صورت دیکھنا محال ہے۔ جن اصحاب نے
انگریزی تعلیم پاکر دُنیا کا کچھ تجربہ حاصل کیا ہے۔ اور
اپنے دل و دماغ پر زور دے کر کوئی بات پیدا
کی ہے۔ وہ اپنی جُدا جُدا رائے رکھتے ہیں۔ بعض

یہ کہتے ہیں - کہ تہذیب اس وقت تک نظر نہیں آسکتی جب تک آپس میں محبت کے ساتھ میل ملاپ اور نشست برخاست کا سلسلہ جاری نہ ہو - اور وہ اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ اس ملک میں جو اس وقت اتفاق اتحاد اور با امن انجمنوں کا وجود نظر آتا ہے - یہ صرف انگریزی تعلیم اور اہل یورپ کی تقلید کا بدیہی نتیجہ ہے ورنہ اس سے پیشتر صدق دل کے ساتھ باہمی برتاؤ شاذ و نادر پایا جاتا تھا - اور اعلیٰ اصولوں کی انجمنوں کا تو کسی کو خواب و خیال بھی نہیں ہوگا - بعض اصحاب یہ رائے رکھتے ہیں - کہ جب تک دل و دماغ میں آزادی کا مادہ پیدا اور نشو و نما نہ ہو - اور آزادانہ بحث مباحثہ کا موقعہ نہ ملے - اور خیالات میں آزادی نہ پائی جاوے - تب تک تہذیب اور شائستگی ناممکن ہے کہ نمودار ہو - بعض اصحاب کا یہ عقیدہ ہے - کہ انجمنیں اور آزادانہ بحث مباحثہ کچھ کام نہیں دیتا

جب تک کہ دل و دماغ اعلیٰ درجہ کے علم و ادب سے روشن نہ ہو۔ جب تک اعلیٰ درجہ کے پاکیزہ خیالات دل و دماغ میں مسکن گزیں نہ ہوں۔ ہم نہ ایک دوسرے سے مل کر خوش ہو سکتے ہیں۔ نہ آزادی کے ساتھ اپنے خیالات کو دوسروں پر ظاہر کر سکتے ہیں۔ بعض اصحاب کا یہ خیال ہے۔ کہ انسان شائستہ نیک اور آزاد طبع روشن ضمیر اور سنجیدہ اُسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ بزرگوں عالموں اور خدا پرست آدمیوں کے نقش قدم پر قدم رکھے۔ ورنہ نہ اس کا دل و دماغ تربیت پذیر ہو سکتا ہے۔ نہ آزاد خیالات کا وہ اظہار کر سکتا ہے۔ اور نہ محبت کے ساتھ دوسروں کے ساتھ سلوک کر سکتا ہے۔ بعض اصحاب صرف یہ کہتے ہیں۔ کہ مذہبی کتابوں میں جو ہمارے فرائض پیغمبروں اولیاؤں اور خدا کے مقبول بندوں نے مقرر کر دیے ہیں۔ اُنہیں پر چلنا کافی ہے۔ اور

یہ اعلیٰ درجہ کی تہذیب کا اصل اصول ہے۔ بہت سے اصحاب یہ فرما دیا کرتے ہیں۔ کہ صرف خداوند کریم کے نام کا ورد کرنا اور کسی کے کاروبار میں تعرض نہ کرنا امن قائم رکھنے اور شائستہ ہونے کے لئے لازمی ہے۔ اور جو شخص اِن امور کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ وہ کسی حالت میں مہذّب نہیں کہلا سکتے تہذیب کے بارہ میں جہاں تک مختلف رائیں نظر آتی ہیں۔ اُن کا خلاصہ یا لب لباب ہم نے اپنے ناظرین کے ملاحظہ کے لئے پیش کر دیا ہے۔ مگر واضح ہو کہ انگریزی تعلیم یافتوں کی ایک بڑی جماعت کا یہ اعتقاد ہے۔ کہ یہ سب باتیں جو اوپر بیان ہوئی ہیں۔ بالواسطہ یا بلا واسطہ انگریزی تعلیم یا یورپ کے علم و ادب نے ہم کو سکھائی ہیں۔ ورنہ یہ ناممکن تھا۔ کہ اس ملک کا علم ادب یا اس کی تواریخ ان کا ایک شمہ بھی ہمیں بتا سکتی اس میں شبہ نہیں۔ کہ ادبار

اور ذلالت کے آثار نمودار ہوا کرتے ہیں۔ کہ اپنا سب کچھ بھول کر اور سب کچھ کھو کر غیروں کے محتاج اور دست نگر ہو جاتے رہیں۔ ذرا کہیں کوئی بھڑکدار شے نظر آئی اور بس اُسی پر فدا ہو گئے۔ یہی ذہن میں سما جاتا ہے کہ جو کچھ ہے سو یہی ہے۔ آریہ سماج کے ظہور سے پیشتر اس قسم کی باتیں بہت کچھ چل جاتی تھیں۔ اور لوگ بھی قابل تشفی جواب اپنے پاس نہ دیکھ کر یہی مناسب سمجھتے تھے۔ کہ ہاں میں ہاں ملا دیں مگر آریہ سماج جب سے قائم ہوا ہے۔ اس وقت سے ان باتوں کی حالت بہت کچھ کرکری ہو گئی ہے۔ انگریزی تعلیم یافتہ اصحاب کو جنہیں اپنے گھر کی کچھ بھی خبر نہیں ہے۔ جب اُن کی تردید کلام میں مستند حوالے دئے جاتے ہیں تو وہ منہ دیکھنے لگ جاتے ہیں۔ اور آخر میں یہ کہ کر بات کو ٹال دیتے ہیں۔ کہ آریہ سماج نے تمام جہان کی خوبیوں کو اپنی کتابوں میں دکھا کر لوگوں

کو دھوکہ میں ڈالنے کا ٹھیکہ لے لیا ہے۔ چنانچہ وہ وقتاً فوقتاً انگریزی اخبارات اور رسالوں میں اسی قسم کے بیانات سے اپنے دل کو ٹھنڈا کر لیتے ہیں۔ ہم یہ چاہتے ہیں۔ کہ آج ایک ایسا وید منتر پیش کریں۔ کہ جس میں تمام دُنیا کی تہذیب اخلاق اور شائستگی کا جوہر کوٹ کوٹ کر بھرا ہو۔ گویا دریا کو کوزے میں بند کر کے دکھا دیا ہو۔ آریہ سماج کا یہ آج سے دعوے نہیں ہے۔ بلکہ ہمیشہ سے رشی مہرشیوں کا یہ عقیدہ رہا ہے کہ ویدوں میں تمام سچے علوم کے اصول موجود ہیں۔ اُن کو نشو و نما کرنا اور اُن سے طرح طرح کے کام لینا ہماری قابلیت اور ہمارے غور و فکر پر منحصر ہے۔ یہ وید منتر ایسا نہیں کہ جس میں کسی کو چون و چرا کرنے کی گنجائش باقی ہو۔ یہ مجموعی طور پر تمام نوع انسان کو اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ کی تہذیب و شائستگی کے اصول سکھاتا ہے۔ اور اس پر

عمل کرنے سے کوئی دُنیا میں ایسی خوبی باقی نہیں رہ جاتی جو عالم میں نہ پائی جا سکے مگر یہ واضح ہو کہ وید کے منتروں کا اُردو جیسی مفلس اور نادار زبان میں ٹھیک ٹھیک ترجمہ کرنا سراسر محال ہے۔ اُردو کا تو کیا ذکر ہے دُنیا کی کسی زبان میں بھی ممکن نہیں ہے۔ کہ سنسکرت کے مفرد لفظوں کا دوسری زبان کے مفرد لفظوں میں اظہار مطلب کر سکیں مثلاً سنسکرت میں ایک لفظ शम سم آیا ہے۔ دوسری زبان میں ہمیں کوئی مفرد لفظ ایسا نظر نہیں آتا۔ جو اِس درجہ پُر معنی اور پُر مغز ہو۔ جس کے زبان سے ادا ہوتے ہی پورا پورا مطلب ذہن میں آجاوے البتہ پانچ سطروں میں سم کا مفہوم ایک حد تک بیان کر سکتے ہیں۔ مگر سنسکرت کا لفظ سم جس وقت زبان سے نکلتا ہے۔ اسی وقت سنسکرت دان کو اس کا اصل مطلب معلوم ہو جاتا ہے۔ لفظ سم کے معنوں میں سب سے اوّل اعلیٰ درجہ

کی سنجیدگی اور متانت بھری ہوئی ہے۔ لفظ سم کے
معنے یہ ہیں۔ کہ حالت اصلی اور سکون کی ہو۔ کسی قسم
کا بیجا جوش تعصّب یا بغض یا خبث درمیان میں باقی
نہ رہے۔ دل اپنے ٹھکانے پر ہو امن چین ہو وغیرہ
وغیرہ۔ اب ناظرین غور فرما سکتے ہیں۔ کہ کسی زبان میں
ایک، مفرد لفظ بالخصوص اُردو میں ہم کہاں سے لا سکتے
ہیں۔ جس سے سم کے معنے مختصر طور پر بیان کر سکیں
تاہم ہم کوشش کرینگے۔ کہ اس منتر کی بہت کچھ خوبیوں
کو اپنے ناظرین کے رُوبرو پیشکش کر سکیں۔ فاضل اجل
رائے ٹھاکر دت صاحب دھون نے اسی ایک منتر
پر ایک انگریزی رسالہ لکھا ہے۔ جس کا نام "پبلک
سپرٹ" ہے۔ رائے صاحب نے درحقیقت کمال کیا ہے
اور انگریزی زبان میں جہاں تک طاقت تھی وہاں تک
اِس منتر کی خوبیوں کو ظاہر کر دیا ہے۔ مگر پھر بھی
وہ خود اس امر کے معترف ہیں۔ کہ انگریزی زبان میں

اِس قدر طاقت گویائی نہیں ہے۔ کہ پُورے طور پر اِس وید منتر کے مدعا کا انکشاف کر سکے۔ جو سرور سنسکرت میں اس منتر کو پڑھ کر حاصل ہوتا ہے۔ وہ دل ہی خوب محسوس کر سکتا ہے۔ اور طرح سے ناممکن ہے۔ کہ وہ لطف حاصل ہو سکے۔ مگر مثل مشہور ہے۔ کہ بالکل کچھ نہ ہونے سے کچھ ہونا بہتر ہے۔ اسی لئے ہم اپنی لیاقت کے مطابق اپنے اُردو خواں ناظرین کو جہاں ہو سکے گا۔ اس کے معنے و مفہوم سے باخبر کرنے کی جد وجہد کریں گے۔ ہمیں امید ہے کہ اس وید منتر کے اصلی مطلب جاننے کے بعد وہ ہرگز یہ تسلیم نہیں کریں گے۔ کہ تمام دُنیا کی تہذیب کے اصول ہم نے کہیں باہر سے سیکھے ہیں۔ یا ہمارے بزرگوں کو وہ معلوم نہیں تھے۔ بلکہ یہ ثابت ہو جاویگا۔ کہ روئے زمین کی تمام قومیں اسی ایک منتر کی خوشہ چین ہیں۔ اور جو کچھ اُن میں تہذیب و شائستگی پائی جاتی ہے وہ اسی متبرک منتر کے ایک ایک لفظ

پر عمل کرنے کا نتیجہ ہے۔ وہ وید منتر یہ ہے:۔

संगच्छध्वं संवदध्वं संवो मनांसि जानताम् ॥
देवा भागं यथा पूर्वे संजानाना उपासते ॥
ऋ० अ० ८ व० ४९ मं० २ ॥

لفظی ترجمہ "امن چین سے ایک دوسرے کے ساتھ میل ملاپ رکھو آزادی کے ساتھ بحث مباحثہ کرو۔ دانشمندی سے اپنے دلوں کو منور کرو۔ اعلیٰ درجہ کے پارساؤں اور بزرگ نیک مردوں کی طرح اپنے فرائض کو ادا کرو اور اپنے پروردگار کی فرمانبرداری میں دل وجان سے مصروف رہو"۔

منتر کا خلاصہ مطلب "عقل مند آدمیوں کو باہم امن وامان کے ساتھ رفاہ عام کے کاموں کو ترقی دینے یا عامہ خلائق کی بھلائی کے لئے یا کسی اچھے مدعا کو حاصل کرنے کی غرض سے میل جول رکھنا چاہیئے۔ انہیں باہم تمام امور پر آزادانہ بحث کرنی چاہیئے۔ مگر متانت

اور سنجیدگی کے ساتھ۔ جس کی اصل غرض یہ ہو۔ کہ صداقت تک پہنچ جاویں۔ انہیں یہ نہیں چاہیئے کہ خواہ مخواہ باہم ردوکد کریں۔ جس کے معنے صرف تو تو میں میں ہوں۔ ہم سب کو یہ کوشش کرنی چاہیئے۔ کہ اپنے دلوں کو دانائی سے منوّر کریں۔ اور علم کی اشاعت میں ساعی ہوں۔ ہمیں یہ چاہیئے۔ کہ ہر ایک اچھے کام کو اپنا فرض سمجھ کر کریں۔ جس میں کسی قسم کی خود غرضی شامل نہ ہو یا یہ سمجھ کر اُس کام کو کریں۔ کہ ہم اپنے خالق یا معبود کی احکام کی تعمیل کر رہے ہیں۔ یہ سب کام بعینہٖ قدیم پارساؤں اور نیک مردوں کی طرح کئے جاویں۔ جن کے خاص اوصاف تہذیب و اخلاق اور رفاہ عام کے کاموں کو ترقی دینا اور لوگوں کو اُن کی جانب متوجہ کرتے تھے ۔۔۔

سنگتی یا امن چین سے باہمی میل ملاپ

اگر انسان کی جسمانی حالت کو غور سے دیکھا جاوے۔
تو یہ ثابت ہو جاوے گا۔ کہ وہ کمزور اور بے بس ہے
یعنی اوس کے پاس قدرتی طور پر اپنے ذاتی بچاؤ
کے سامان موجود نہیں ہیں۔ یا یوں کہ سکتے ہیں۔ کہ
قدرت نے اُس کے جسم کو فولادی نہیں بنایا ہے
اور نہ اُس کے جسم کے ساتھ ایسے ہتیار لگا وئے
ہیں۔ جن سے کہ وقت ضرورت وہ اپنے آپ کو
حملہ آوروں سے بچا سکے۔ جیسا کہ حیوانات کی صورت
میں پایا جاتا ہے۔ نہ انسان میں ایسی طاقت ہے۔ کہ
وہ بڑی تیزی کے ساتھ بھاگ سکے۔ جیسے کہ ہرن
وغیرہ جانور بھاگ سکتے ہیں۔ نہ وُہ بندر کی طرح
درختوں پر چڑھ کر ایک شاخ سے دوسری پر اوچھل
سکتا ہے۔ نہ اونچی جگہ سے نیچے بغیر ضرب کھائے

کود سکتا ہے۔ نہ اُس کے پاس ایسے اوزار ہیں۔
کہ جن سے شکار کو مار کھائے۔ اور اُس کے دانت
بھی اس قابل نہیں ہیں۔ کہ کچے گوشت کو کھا سکے۔ اگر
انسان کو اُس کی حالت پر چھوڑ دیا جاتا تو یہ ظاہر
ہے کہ وہ اپنے جسم و جان کو برقرار نہ رکھ سکتا۔
اور نہ اپنے بچّوں کو موسموں کے تغیر و تبدل کے نتائج
سے محفوظ رکھ سکتا۔ نہ سردی گرمی سے بچا سکتا۔
نہ درندوں کی یورش سے امن میں رکھ سکتا۔ یہ
نقشہ اُس وقت کا تصور کرنا چاہیئے جبکہ انسان روزِ
پیدائش سے بلا کسی قسم کے تردد کے اپنی قدرتی
حالت پر چھوڑ دیا جاتا۔ مگر قدرت کے قاعدے
بے ڈھنگے نہیں ہیں ٭

شائد جس طرح سے ایک فرضی قصہ باغ عدن
کی نسبت مشہور ہے۔ ویسے روئے زمین پر چند
قطعات ہوں۔ جہاں درخت ہمیشہ پھلوں سے لدے

رہتے ہوں۔ لیکن جہاں تک معلومات کا گذر ہے۔
ایسا کوئی مقام نہیں پایا جاتا کہ جہاں قدرت نے
انسان کی سال بھر کی ضروریات کے پورے پورے
سامان فراہم اور مہیا کر رکھے ہوں۔ جہاں تک
ہمیں معلوم ہے ایسی کوئی سرزمین نہیں ہے۔ کہ
جہاں ہر قسم کے اناج دالیں اور قسم قسم کی پھلیاں
بغیر کاشت اور بلا تردد خود رو بکثرت ہوتی ہوں۔
یہاں تک اور نزاد وحشی لوگ بھی جو کہ فن کاشتکاری
مویشیوں کے طریق پرورش سے بالکل ناآشنا ہیں۔
وہ بھی کسی نہ کسی قسم کے مصنوعی گو بھدے اوزار
اپنی خوراک کو پیدا کرنے کے لئے استعمال میں لاتے
ہیں۔ اور روئے زمین پر کسی علاقہ میں ایسے آدمی
موجود نہیں۔ جو آگ کا استعمال نہ جانتے ہوں۔ البتہ
کہا جاتا ہے کہ جزائر بحر الکاہل میں کچھ آدمی ایسے
ہیں۔ کہ وہ آگ کے استعمال سے نابلد ہیں۔ جہانتک

علم طبقات الارض (علم جیالوجی) کی تحقیقات کی رسائی سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اس دُنیا میں ایسا زمانہ کبھی نہیں آیا۔ جبکہ انسان کسی نہ کسی قسم کے پتھر بھرت یا لوہے کے آلات نہ رکھتا ہو۔ یا اُن کا استعمال نہ جانتا ہو۔

یہ اُوپر بیان ہو چکا ہے کہ انسان بے حس پیدا کیا گیا ہے۔ پس اُس وقت تک جبکہ یہ کچھ ہاتھ پاؤں ہلانے کے قابل ہو (جسے ایک عرصہ چاہیئے) اس اثناء میں یہ لازمی امر ہے کہ اس کے والدین بہت احتیاط کے ساتھ اس کی خبرداری اور پرورش کریں۔ تعلقات خاندانی جو کہ با امن و چین میل جول کا ایک شائبہ ہیں۔ ترقی اور تسلسل نسل کے لئے لابدی ہیں۔ با معنی آوازیں بچے کو قدرت نہیں سکھاتی۔ وہ کوئی با معنے آواز منہ سے نہیں نکال سکتا۔ جب تک کہ وہ اوروں سے سُن کر نہ سیکھے۔ اگر اُسے کنج تنہائی میں رکھا جاوے۔ تو وہ البتہ چیخنا اور چلانا تو جان لیگا۔ لیکن بذریعہ الفاظ اپنے

خیالات کو دوسروں تک پہنچانا ناممکن ہے۔ کہ اُسے آدمی
پس یہ ظاہر ہے۔ کہ زبان دانی کا جوہر انسان کو میل
جول سے حاصل ہوتا ہے۔ جوکہ اُس کے خاص اوصاف
میں سے ایک ہے۔ اور اُس کی تمام ذہنی فتوحات اور
کارہائے نمایاں کی بُنیاد ہے ؎

انسان کی ضروریات مختلف اور بہت سی ہیں۔
اور قدرت اُس کی راحت کے لئے تمام ضروری
اشیاء تیار اور ہمہ جہت مکمّل بہم نہیں پہنچاتی۔ یہ
ایک مسلمہ بات ہے اور یقینی امر ہے۔ کہ کوئی اور
جانور اپنی خوراک کو پکا کر نہیں کھاتا۔ اور نہ اپنے لئے
پوشاک تیار کرتا ہے۔ جہاں تک کہ علم تواریخ کام
دیتا ہے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انسان ہمیشہ ملکر رہا ہے
یعنی انسان کی جماعتیں رہی ہیں۔ ایک خاندان بڑھتے
بڑھتے جبکہ قبیلہ بن جاتا ہے۔ تب سامان راحت کا
ایک ادنیٰ جزو تیار ہو جاتا ہے۔ اس امر کو ہم یوں

واضح کر سکتے ہیں۔ کہ چونکہ انسان کی ضروریات مختلف اور انواع و اقسام کی ہیں۔ اس لئے ایک ہی شئے کے تیار کرنے میں کثیر التعداد آدمیوں کو مل کر کام کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ جب کہیں جاکر وہ مکمل ہو سکتی ہے۔ مثلاً روٹی کپڑا پیشتر اس کے کہ وہ کھانے پہننے کے قابل ہوں۔ سینکڑوں ہزاروں آدمیوں کے ہاتھوں سے ہو کر گزرتے ہیں۔ کوئی بوتا ہے۔ کوئی پانی دیتا ہے۔ کوئی کاٹتا ہے۔ کوئی پیستا ہے۔ کوئی کاتتا ہے کوئی بنتا ہے۔ جب کہیں جاکر یہ چیزیں میسر آتی ہیں۔ جب تک کہ تقسیم اوقات اور تقسیم محنت کا اصول مدنظر نہ رکھا جاوے۔ اور انسان باہم مل کر کام نہ کریں تب تک کوئی شہر ترقی پذیر نہیں ہو سکتا اور نہ تہذیب ظہور میں آ سکتی ہے۔ انسان کی تمام انتہائی طاقتیں جب صرف ہو جاتی ہیں۔ اُس وقت سامان حاجت اور سامان گزر اوقات حاصل

ہوتے ہیں۔ اگر ہر ایک خاندان علیحدہ علیحدہ بود و
باش رکھے۔ تو اُس حالت میں اُن کو خود ہی اپنا لوہار
بننا پڑے۔ خود ہی نجار خود ہی کاشتکار خود ہی
کھیتوں کے پاسدار اور خود درندوں کے چوکیدار بننا
پڑے۔ اور انہیں اپنی جھونپڑیاں بھی آپ ہی بنانی
پڑیں۔ جب تک اُن کی تعداد نہ بڑھے۔ اور وُہ
طریق تمدّن اور طریق معاشرت کے اصولوں سے
واقفیت پیدا نہ کریں۔ اُن کے ذہن کی رسائی
زندگی کے اعلےٰ مقاصد تک نہیں ہو سکتی۔ صرف
انسان کے میل ملاپ اور یگانگت کی وجہ سے مختلف
اشخاص مختلف کاموں میں مصروف ہو سکتے ہیں۔
اور وہ تمام نظم ونسق جو بہت سے لوگوں کے ساتھ
مل کر کام کرنے سے ظہور میں آتا ہے۔ تہذیب کا
پہلا زینہ ہوتا ہے۔ چنانچہ ملک امریکہ کا ایک فلاسفر
کہتا ہے " باہم میل ملاپ ترقی عامہ اور ترقی تعلیم کا

جزوِ اعظم ہے۔ ہر قسم کی ترقی اُسی وقت ممکن ہے جبکہ اِنسان امن چین کے ساتھ مل کر میلاپ رکھیں۔ جیوں جیوں تعلقات وسیع اور گہرے ہوتے چلے جاتے ہیں۔ ویسے ہی ترقی کے مدارج بڑھتے چلے جاتے ہیں ۱۱

اِنسان میں اور جانداروں کی نسبت اگر کوئی خصوصیت ہے تو وہ یہ ہے۔کہ وہ اپنے اسباب ضروریات کی مقدار اور تعداد کو جس قدر کہ قدرت نے اُسے عطا کی ہے۔بہت بڑھا سکتا ہے۔مگر یہ قدرت انسانوں کی سرشت میں ہر جگہ یکساں پائی جاتی ہے۔ اور مختلف مقامات میں مختلف انسانی جماعتوں نے جو خاص ترقی تہذیب میں کی ہے۔اُس سے اِس کا کچھ تعلق نہیں ہے۔ مراد یہ کہ بنی نوع انسان میں یہ قوت طبعی طور پر موجود ہے۔کہ وہ حسب ضرورت کسی شے کو زیادہ مقدار میں پیدا کرے یا کم مقدار میں۔ اگر کوئی گروہ انسانی اِس

قوت سے زیادہ کام لے۔ تو وہ تہذیب میں زیادہ ترقی
کر سکتا ہے۔ جو اِس سے کم کام لیگا۔ وہ کم درجہ پر ہوگا
اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ کیونکر اور کس نہج سے
خاص خاص گروہ انسانی نے اِس قوت سے اعلیٰ درجہ
کی کامیابی کے ساتھ کام لیا ہے۔ جس سے لوگ درجہ
کمالیت سمجھتے ہیں۔ جبکہ دوسری طرف ایک دوسرے
انسانوں کے گروہ ہیں یہ مشکل سے ذرا بھی ابھری ہے
یہ سوال ماہران علم مجلسی کے روبرو اِس شکل میں
پیش ہوتا ہے۔ کہ انسان کی ترقی کے لئے عمدہ سے عمدہ
سامان کونسے ہیں۔ کسی گروہ انسانی کو کون سے خاص
اوصاف اختیار کرنے چاہیئے۔ کہ جس سے اُن کی تہذیب
کا رتبہ بہتر ہو۔ اور وہ کونسی طاقتیں ہیں۔ جو اُن کی
تہذیب کو روز بروز پیچھے کی طرف لے جاتی ہیں۔ کن
امور پر مجلسی ترقی زیادہ مبنی ہے۔ اِس سوال کا جواب
مندرجہ بالا فقرہ میں پورا پورا دیا گیا ہے۔ جس سے

ظاہر ہے۔کہ جوہر تہذیب انہیں لوگوں میں زیادہ تر نمودار ہو سکتے ہیں۔جو نیکی اور بہبودی خلائق کی جانب قدم بڑھانا چاہتے ہیں۔اور وید مقدس میں صاف الفاظ میں یہ ہدایت ہے کہ نوع انسان کو سب سے مقدم خیال سمجھتی یعنی بامن و چین میل ملاپ کا ہونا چاہیئے۔جس امریکن فلاسفر کا ہم اوپر حوالہ دے چکے ہیں۔اسی کا یہ قول ہے۔کہ

"یہ قوت جن مختلف مدارج میں استعمال کی جاتی ہے۔یا جن مختلف حالتوں میں پائی جاتی ہے۔اس اختلاف کی وجہ کوئی اصلی اختلاف نہیں ہے۔ مثلاً اس وقت جو قومیں اعلیٰ درجہ کی مہذب پائی جاتی ہیں۔تاریخ بتلاتی ہے کہ وہی قومیں اب سے تھوڑا عرصہ پیشتر پوری پوری وحشی تھیں۔اور ہم ایک ہی نسل کی مختلف اقوام میں مدارج تہذیب کی نمایاں تفاوت دیکھتے ہیں

نہ ہی اِن تفاوتوں کا باعث مادی تعلقات
کہے جا سکتے ہیں۔ مثلاً کسی زمانہ میں وہ مقام
جو علوم و فنون کے گہوارے تھے وہیں اب
اُلّو بولتا ہے۔ اور وحشی آباد ہیں۔ وہ مقام جہانکہ
خونخوار جانور رہتے تھے۔ وہاں بڑے بڑے
عظیم الشان شہر تھوڑے ہی عرصہ میں نظر آنے
لگے ہیں۔ یہ تمام اختلاف اور تفاوت باہمی
میل ملاپ کا نتیجہ کہے جا سکتے ہیں۔ جسے عام
طور پر مجلسی ترقی کے نام سے موسوم کیا
جاتا ہے۔ چند خاص خاص ابتدائی حالتوں کے
سوائے یہ صرف انسان ہی ہے جو میل ملاپ
کا ذریعہ دن بدن ہر قسم کی ترقی کے میدان
میں قدم بڑھاتا چلا جاتا ہے۔ یہ تمام ترقیاں جو
انسان کے احاطہ امکان میں ہیں اور جن جن
مدارج کا ہم نے ذکر کیا ہے انہیں منحصر

الفاظ میں تہذیب کہتے ہیں جوں جوں انسان
مہذب ہوتا جاتا ہے۔ وہ شائستگی میں ترقی
کرتا جاتا ہے۔ یعنی جوں جوں اُس کے میل ملاپ
کا دائرہ وسیع ہوتا جاتا ہے ویسے ہی
اُس کی حالتوں میں نمایاں فرق پڑتا چلا جاتا ہے ٭
یہ بھی یاد رہے کہ ہمارا تمام علم اور ہماری تمام
معلومات صرف میل ملاپ کا نتیجہ ہے۔ ہمیں سب سے
پہلے وہی آتا ہے۔ جو کہ ہمیں سکھایا جاتا ہے۔ ہمارے
رسم و رواج ہمارا مذہب ہماری مادری زبان سب
کے سب ہمیں میل ملاپ سے حاصل ہوتے ہیں۔
ہمارے کوئی ابتدا کے اور اصلی خیالات نہیں ہوتے
ہیں ہماری تعلیم ہمارے خیالات کو پیدا کرتی ہے۔
ہماری یادداشت ہماری قوت متخلیہ ہماری قوت ادراک
تمام میل ملاپ اور باہم نشست و برخاست کا نتیجہ
ہے۔ یہی نہیں بلکہ صحیح و غلط میں تمیز اور کسی شے

سے صحیح نتیجہ اخذ کرنا اُسی وقت ممکن ہے۔ جبکہ ہم اپنے
مشاہدوں کو دوسروں کے مشاہدات کے ساتھ لاتے ہیں
ہمارا فیصلہ بہ صحت ہو جاوے اگر دیگر اشخاص کے
تجربات کا ذخیرہ ہماری ہدائت کے لیئے موجود نہ ہو۔
پس باہمی میل ملاپ بہمہ وجوہ ذہنی طاقتوں کو تربیت
دینے اور ذہنی قواء کو مدارج ترقی پر پہنچانے کے لیئے اشد
ضروری ہے۔

انسان کی اخلاقی طاقتیں اور ذہنی قوتیں اُس وقت
تک ترقی پذیر نہیں ہو سکتیں۔ جب تک کہ ان چین سے
باہمی اختلاط نہ ہو۔ انسان کی نیکیوں میں اعلیٰ درجہ محبت
کو دیا جاتا ہے اور محبت کے معنے ہیں۔ دوسروں کے
ساتھ ہمدردی کا مادہ پیدا کرنا پس جب تک کہ ہم اپنے
آپ کو لوگوں سے کشیدہ اور علیحدہ رکھتے ہیں اُس
وقت تک ہم خود غرض شمار کیئے جاتے ہیں۔ یعنی کہ ہم
محض اپنی ذاتی بہتری میں کوشاں رہتے ہیں۔ اور

اوروں کی بہبودی کا کچھ خیال نہیں کرتے۔ انسان کی
اعلی درجہ کی خواہشیں یا برترین بھاؤ (جذبات) جو اُس کو
اپنے ذاتی عیش و آرام کو ترک کر کے اِس بات پر آمادہ
کر دیتے ہیں۔ کہ وہ اوروں کی خوشنودی میں اپنی خوشی
سمجھے۔ اگر ہم میں موجود نہ ہوں تو ہم باوجود اپنے فہم و
ذکاوت کے وحشیوں سے کچھ ہی برتر سمجھے جا سکتے ہیں
بلکہ اگر ہم اس درجہ خود غرض ہیں۔ کہ ہم اپنے فرائض
کو جو اوروں کی طرف ہیں۔ بھول جاویں۔ تو اُس وقت
ہم جانوروں سے بھی بدتر شمار کئے جانے کے قابل ہیں
وہ جذبہ محبت جو ایک والد اپنے بیٹے کی جانب محسوس
کرتا ہے۔ وہ پریم جو ایک ماں کو اپنے بچے کے ساتھ
ہوتا ہے۔ وہ الفت جو ایک بیوی اپنے خاوند کے ساتھ
رکھتی ہے اِن تمام فرائض کا ادا کرنا جو خاندان کو منور
کرتا ہے۔ اُسی گھر میں ٹھیک طور پر انجام پذیر ہو سکتا
ہے کہ جہاں امن چین سے ایک دوسرے کے ساتھ

رشتہ الفت وابستہ ہو۔ خود غرضی اور خود بینی کی
جڑیں۔ اسی وقت اکھڑ جاتی ہیں۔ جبکہ ہم ایک دوسرے
سے محبت کے ساتھ پیش آنے لگتے ہیں۔ جبکہ ہم
دوسروں کی خواہشوں کی ایسی ہی عزت کرنے لگ
جاتے ہیں۔ جیسی کہ اپنی خواہشات اور خیالات کی جبکہ
ہم تمام بنی نوع انسان کو دوستانہ نگاہ سے دیکھنے
لگ جاتے ہیں۔ اس وقت ہمارے دلوں میں یگانگت
پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ شخص جو آدمیوں کے سایہ سے
بھاگتا ہے۔ جو ایک جنگل بیابان میں جاکر اس غرض سے
سکونت پذیر ہوتا ہے۔ کہ وہ تمام دنیا کے تردداتِ
اور مصائب سے رہائی پا جاوے۔ وہ شخص جو اپنے
ہمجنسوں کے ساتھ باہمی برتاؤ سیکھنا نہیں چاہتا۔
اس کے تمام دنیوی عیش و آرام میں ہی خلل واقع
نہیں ہو جاتا۔ بلکہ اس کے قوائے ذہنی و اخلاقی اور
اعلیٰ درجہ کے خیالات جو اس کو بلند مرتبہ پر پہنچاتے

ہیں۔ گندہ پڑ جاتے ہیں۔ اور بالآخر بنی نوع انسان
سے اُس کو نفرت ہو جاتی ہے۔ جب تک کہ ہمارا
پریم بھاؤ (جذبہ الفت) جس سے کہ ہم اپنے آپ
کو پیار بھی کرتے ہیں۔ اوروں کی بہبودی میں
مستغرق نہ ہو جاوے۔ اُس وقت تک ہم باہم
امن و چین کے ساتھ میل ملاپ پیدا نہیں کر
سکتے۔ یہی صرف کافی نہیں ہے۔ کہ آدمی مل کر
ایک جگہ بیٹھ جاویں۔ بلکہ یہ بھی ضروری ہے۔ کہ
وے عامۂ خلائق کی بہبودی میں کوشش کریں اور
اُن میں اس کوشش کے متعلق خیالات کی موزونیت
ہونی لازمی ہے۔ انہیں باہم امن و چین کے ساتھ
رہنا چاہیئے۔ اور سب کے حقوق کی مناسب عزت کرنی
چاہیئے۔ جب یہ تمام باتیں پایۂ تکمیل کو پہنچ جاویں
اُس وقت کہا جا سکتا ہے۔ کہ وہ امن و چین کے
ساتھ باہمی میل ملاپ رکھتے ہیں۔

اب ظاہر ہے کہ مندرجہ بالا وید منتر کا پہلا
لفظ संगच्छध्वम् (باہم امن و چین سے میل ملاپ
کرو) کس درجہ پُر معنے اور کس قدر پر مغز
ہے۔ اور کیسا خوبصورت ہے۔ جس سے ہم کو امن
و چین کے ساتھ میل ملاپ رکھنے کا اعلیٰ سبق ملتا ہے
اور اِسی سے ہم انجمنوں کے اصول سیکھتے ہیں۔
کتنی مرتبہ ہم اپنے اس فرض کو بھول نہیں جاتے؟
کیا ہی اچھا ہو کہ ہم سب لوگ مجموعی طور پر ہمیشہ
اپنا مذہبی فرض سمجھ کر اس وید منتر کی ہدائت
پر عمل کریں۔ بہت سی ہماری سبھا سماجیں (انجمنیں)
بہت جلد مُردہ ہو جاتی ہیں۔ وجہ یہ ہے۔ کہ
ہم میں در اصل تہذیب کا یہ پہلا جوہر (مراد
میل ملاپ) نہیں ہوتا۔ تمام مذہبی۔ مجلسی۔ تجارتی
یا مُلکی ترقیوں کی پہلی ضرورت یہی اصول ہے۔ جس
سے ہم غافل ہیں۔ ہم میں سے بہت کم آدمی ایسے

ہیں۔ جو اپنی اِس کمی کو محسوس کرتے ہیں۔ یا اُن کو رنج ہوتا ہے۔ جبکہ ہم جس انجمن میں شریک ہونے کے لئے کہ اخلاقی طور پر عہد کر چکے ہیں۔ اس سے غافل ہو کر بیٹھ رہے ہیں +

۲۔ سمواد یعنی آزادانہ بحث

جن اصحاب نے پچھلے باب کو بغور ملاحظہ فرمایا ہوگا اُنہیں معلوم ہوا ہوگا۔ کہ ہر قسم کی مجلسی ترقی کے لئے مندرجہ بالا وید منتر کا پہلا لفظ کیا کچھ کس زور سے سکھاتا ہے۔ لیکن با امن و چین میل ملاپ جس پر عمل کرنے کی سب سے پہلے اس وید منتر میں تاکید کی گئی ہے۔ بنی نوع انسان کو مجلسی۔ اخلاقی اور علمی طور پر اوج پر پہنچانے کے لئے کافی نہیں ہے۔ مثلاً غور کیجئے۔ کہ ہمیں اپنے چاروں طرف بہت سے ایسے حیوانات نظر آتے ہیں۔ جو باہم امن و چین کے

ساتھ میل ملاپ رکھتے ہیں۔ چیونٹوں اور شہد کی
مکھیوں نے کس خوبصورتی اور لیاقت کے ساتھ اپنی
باقاعدہ انجمنیں بنا رکھی ہیں۔ اسی طرح اور بہت
سے چرند وپرند اپنے اپنا لئے جنس کی بھلائی کے لئے
محنت ومشقت کرتے ہیں۔ تقسیم اوقات کا خیال
رکھتے ہیں۔ اور اپنے ہر ایک مقررہ کام کو ایسے صحیح
طور پر انجام دیتے ہیں۔ کہ ایک کل کیا کام دیگی۔
جب اُن پر اُن کا کوئی دشمن حملہ کرتا ہے۔ تو وہ
سب مل کر اپنے بچاؤ کی ہی تدبیر نہیں نکالتے۔ بلکہ
متحد ہو کر حملہ آور ہوتے ہیں۔ وہ وقت بیوقت کے
لئے کمال جانفشانی کے ساتھ اپنی خوراک کا ذخیرہ جمع
کرتے ہیں۔ اپنے بچوں کو جو ایک خاص حصہ عمر تک
اُن کے ہمراہ رہتے ہیں۔ احتیاط اور محبت کے
ساتھ پالتے ہیں۔ باوجود ان تمام باتوں کے ہم دیکھتے
ہیں کہ صدیاں گزر گئیں۔ مگر اُنہوں نے اپنی اصلی حالت

کہ ترقی دینے کے لئے کسی قسم کے آثار ظاہر نہیں
کیۓ۔ اُودبلاؤ ایک سوراخ سا بنا لیتا ہے - ایک
چڑیا اپنا گھونسلہ تیار کرلیتی ہے۔ شہد کی مکھی اپنا
چھت بنا لیتی ہے۔ مگر جیسے کہ یہ سب عالم وجود
میں آئے ہیں۔ برابر اسی طرح سے کرتے چلے آئے
ہیں ایک۔ شمہ بھر بھی کسی طرح کا فرق نہیں پڑا۔
جیسی کہ اُن کی روز مرہ کی کارگذاری پہلے تھی ویسی
ہی اب ہے اور آئندہ بھی ایسی ہی رہیگی۔ نہ اُن
میں کسی قسم کا تنزل واقعہ ہؤا۔ اور نہ ترقی ۔اپنے
خواص کے مطابق وہ کسی خاص کام کو کر لیتے ہیں
اور وہ بھی اس طرح سے جیسے کوئی بیجان کل
کرتی ہے۔ اُن میں غور و فکر کا مطلق مادہ نہیں
ہوتا۔ بالکل وحشی لوگ بھی گروہوں اور قبیلوں میں
ملکر رہتے ہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ ایسے
علاقہ بھی ہیں۔ کہ جہاں با امن سلطنت قائم ہے

مگر وہاں کے باشندے ایک ادنیٰ درجہ کی تہذیب کے
علاوہ کسی قسم کی نمایاں ترقی نہیں کرتے۔ اس دنیا
میں ایسی قومیں بھی ہو گذری ہیں۔ جن کے گذشتہ
کارنامجات بڑے پُر شوکت ہو گذرے ہیں۔ جو کسی زمانہ
میں بڑی متحد اور چست چالاک تھیں۔ مگر وہ تہذیب
کے لحاظ سے اس درجہ پستی کو پہنچ گئی ہیں۔ کہ شاید
پھر کبھی نہ اُبھریں۔ اب سوال یہ ہے۔ کہ اس مبین تفاوت
کی کیا وجہ ہے۔ اصل وجہ یہ ہے۔ کہ صرف آپس میں اپنی
جیبوں کے ساتھ ملنا اور ایک مقررہ کام کو کٹھ پتلی کی
طرح کر دینا مکتفی نہیں ہے۔ محض اس طریق سے
نوع انسان کی ترقی متصور نہیں ہے۔ اگرچہ یہ صحیح ہے
کہ ہر قسم کی ترقی کے لئے اشد ضروری ہے۔ کہ باہم
اپنی جیبوں کے ساتھ میل ملاپ رکھا جاوے۔ مگر یہ
امر بذاتہٖ ہمیں عروج پر پہنچانے کے لئے کام نہیں
دے سکتا۔ یہی خاص سبب ہے۔ کہ مندرجہ بالا

وید منتر کا دوسرا لفظ ہماری توجہ کو اس امر کی طرف منعطف کراتا ہے۔ جو انسانی ترقی کے ذریعوں میں دوسرے درجہ پر ہے۔ یہ انسان کو مباحثہ یعنی آزادانہ مگر اعتدال کے ساتھ بحث مباحثہ کی تاکید کرتا ہے۔ انسان کا خاصہ یہ ہونا چاہیئے۔ کہ وہ گونگے جانور کی طرح سے بسر اوقات نہ کرے۔ بلکہ اُس کا یہ فرض ہونا چاہیئے۔ کہ اپنی ابنائے جنس کی بہبودی اور عام بھلائی کے لئے شوق سے کام کرے۔ اور ہر ایک بات کو توجہ سے انجام دے۔ اور کسی کام کو کرنے سے پیشتر اُس کے ہر ایک پہلو کو بیلاگ ہو کر سوچ سمجھ لے۔ پس اس سے ظاہر ہے۔ کہ میدان ترقی میں قدم رکھنے کے لئے لازمی ہے۔ کہ وُہ سب سے پہلے آزادانہ گفتگو کی عادت ڈالے۔ ہر ایک شخص جس میں رائے دینے کی قابلیت ہو گئی ہے۔ عام خلائق کے معاملات میں موقعہ مناسب

پہ رائے دے۔ اور تمام ضروری امور پر آزادانہ
اپنے خیالات کو ظاہر کرے۔ کوئی قوم یا کوئی قبیلہ
تہذیب میں ہرگز ترقی نہیں کر سکتا تا وقتیکہ وہ
عوام الناس کے معاملات میں شوق سے دلچسپی ظاہر
نہ کرے۔ اور بحث مباحثہ کو دخل نہ دے۔ کسی
گروہ انسانی یا کسی انجمن کی بہتری اور عمدگی حالت
کے لئے لازمی ہے کہ ہر ایک لائق اور قابل شخص
آزادی کے ساتھ امور متعلقہ میں اپنی لیاقت تجربہ
اور مشاہدہ کے مطابق رائے دے۔ یہ صحیح نہیں
ہے۔ کہ انسان کو صرف معاملات ملکی یا عوام کے کار
و بار کے متعلق ہی آزادانہ بحث یا مباحثہ یا رائے
زنی کرنی مناسب ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کوئی قوم
ذہنی ترقی ہرگز نہیں کر سکتی۔ جب تک کہ سائینس
اور فلسفہ کے مسائل پہ بھی آزادانہ بحث مباحثہ
نہ کیا جاوے۔ ہمارا علم اور ہماری ملکی بہبودی

ہمارے غوض و فکر اور تحقیقات کی طاقت پر منحصر ہے
ہم کو چاہیئے۔ کہ بے باکانہ نکتہ چینی کریں۔ بشرطیکہ
ایسا کرنے کی ضرورت ہو۔ اُن تمام آرائے اور
اُن تمام مسائل کو جو ہمارے روبرو پیش ہوں ہمیں
اس وقت تک ہرگز قبول نہیں کرنا چاہیئے۔ جب
تک کہ اُن کی صداقت پایۂ ثبوت کو نہ پہنچ جاوے
اس وقت جو ہم سائنس کے ہر صیغہ میں نمایاں
ترقی دیکھتے ہیں۔ اُس کی اصل وجہ یہ ہے۔ کہ ہر
ایک نئی تحقیقات کی خوب چھان بین کی جاتی ہے
اور پھر پورا پورا بحث مباحثہ چھڑ جاتا ہے۔ اور
لوگ اُنہیں قبول نہیں کرتے۔ جب تک کہ اُن کی
صداقت علمی طور پر واضح نہیں ہو جاتی۔ اور تاوقتیکہ
وہ اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ لیتے۔ اور منطق اور
دلائل سے اُنہیں مکمل نہیں سمجھ لیتے۔ مطبع اِس
ضمن میں ایک طاقتور کام کرنے کا آلہ ہے۔ اور

مندرجہ بالا وید منتر میں لفظ سمواد سے زبانی اور تحریری ہر قسم کی آزادانہ بحث مقصود ہے +

یہ صحیح نہیں ہے۔ کہ صرف ملکی اور علمی مسائل پر ہی آزادانہ بحث مباحثہ کرنا چاہیئے۔ دھرم کو جس میں مجلسی اور اخلاقی دونوں باتیں شامل ہیں۔ اور زیادہ آزادانہ بحث اور نکتہ چینی کی ضرورت ہے۔ ہمیں ہرگز یہ واجب نہیں ہے۔ کہ کسی شخص کے مقولہ کو خواہ وہ کیسا ہی ذیرتبہ ہو۔ خواہ مخواہ اور آنکھ میچ کر وحی آسمانی سمجھ لیں۔ ہم کو تمام مذہبی مسائل اور منقولات کی تشریح اور تفسیر کو علم و عقل کی روشنی سے دیکھنا چاہیئے۔ اور اُن کو قانون قدرت کے اصولوں کی مناسبت سے بھی جانچنا چاہیئے۔ ہمیں کسی مذہبی مسئلہ کو محض اس وجہ سے کہ فلاں ذیجاہ شخص کی زبان سے برآمد ہوا ہے۔ تسلیم نہیں کر لینا چاہیئے

مذہبی معاملات میں آزادانہ بحث مباحثہ کا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ ہم ہر قسم کے توہمات باطلہ سے محفوظ رہتے ہیں۔ اور پیر پرستی اور مردم پرستی کی زحمت سے بچ جاتے ہیں۔ اس طریق سے ہم چست اور مستعد رہ سکتے ہیں۔ ہم میں خواہ مخواہ دوسروں پر بھروسہ کرنے کی عادت جاگزین نہیں ہو جاتی۔ پس ظاہر ہے کہ تمام معاملات میں خواہ عامہ خلائق کے متعلق ہوں۔ ملکی ہوں۔ علمی ہوں۔ یا مذہبی سب میں آزادانہ بحث مباحثہ کی ضرورت ہے۔ جب ہم غور سے مصریوں ایرانیوں یونانیوں اور اہل اطالیہ کی قدیم تہذیب کی تواریخوں کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ خود بخود واضح ہو جاتا ہے۔ کہ اُن کی رفتار ترقی اُن کی تفتیش تحقیقات اور آزادانہ بحث مباحثہ کی رفتار کے پہلو بہ پہلو تھی۔ جب تک کہ اُن لوگوں میں تحقیقات کا شوق رہا اور آزادانہ بحث مباحثہ سے الفت رہی۔ تب تک اُن کی رفتار ترقی

ہی فرق نہیں آیا اُن کے تنزل کا زمانہ اسی وقت
سے شروع ہوتا ہے۔ جبکہ اُن میں سے آزادانہ
غوض و فکر اور تحقیقات کا مادہ مفقود ہونا شروع
ہوگیا۔ جبکہ تن آسانی اور عیش و عشرت نے کاہلی
کا جامہ انہیں پہنا دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ لوگ
اپنے آقاؤں اپنے بادشاہوں اور اپنے پیروں پر ہر
ایک بات میں اندھا دھند اعتقاد رکھنے لگے۔ اور خود
سوچنے سمجھنے سے عاری ہو گئے۔ مغرب کی
زمانہ کی حال کی قوموں میں اگر کوئی خاص وصف
ہے۔ جس سے وہ لوگ مشرق کے غیر متحرک لوگوں
سے تمیز کئے جا سکتے ہیں۔ (جاپان کو چھوڑ دیجئے)
وہ وصف یہ ہے۔ کہ مغرب کے لوگ آزادانہ
بحث مباحثہ کے خوگر ہیں۔ اور عامہ خلائق کے تمام
کاموں میں شوق سے شریک ہوتے ہیں۔ اور اُن پر
پوری توجہ کرتے ہیں۔ عنقریب اخبارات و

رسالہ جات اور کتابیں روز مرہ اشاعت پذیر ہوتی ہیں۔ اور ان تقریروں سے جو روز مرہ کی جاتی ہیں ان لوگوں کی مستعدی اور تنومندی کا کافی ثبوت ملتا ہے *

مہذب ممالک میں آپ کسی کاروبار کو دیکھ لیں ہر ایک میں ہمارے وید آزادی شتیہ شاستروں کی سم گتی (بامن و چین میل ملاپ) اور سمواد (آزادانہ بحث مباحثہ) کا خاص ظہور نظر آوے گا۔ ممالک مہذب کے لوگوں کو یہ بخوبی ثابت ہو گیا ہے۔ کہ انسانی ترقی ان ہی ہدایتوں پر ٹھیک ٹھیک کاربند ہونے سے متصور ہے۔ لہٰذا ان ہی اصولوں پر انہوں نے اپنے ہر ایک کاروبار میں خواہ وہ ذاتی ہوں یا عوام الناس کے متعلق پورا پورا عمل درآمد کیا ہے۔ زندگی کے ہر ایک مرحلہ میں وہ ان مقولوں کو اپنا رہبر بناتے ہیں۔ وہ ہر ایک امر

ہیں جو نوع انسان کی ترقی کی نسبت ہو۔ آزادانہ بحث
مباحثہ کرتے ہیں۔ اور امن و چین سے مل کر اُن
کو سوچتے ہیں۔ وہ متحدہ جماعتیں بنا کر اپنا سرمایہ
مجتمع کرتے ہیں۔ اُس سے تجارت شروع کرتے ہیں
نئی نئی منڈیاں اور نئے نئے کارخانے قائم کرتے
ہیں۔ تجارتی انجمنیں بناتے ہیں۔ جن سے کاریگروں
اور دستکاروں کی حالت ترقی پذیر ہو۔ ایسی انجمنیں
بھی قائم کرتے ہیں۔ جن کا شب و روز کام ایجاد
و اختراع تلاش و تحقیقات ہو۔ لوگوں میں تفتیش کا
مادہ بڑھے۔ علوم و فنون کی اشاعت ہو۔ وہ کتب
خانوں اور ایسی مجلسوں کی بنا ڈالتے ہیں۔ کہ جن میں
لوگوں کو باہم اتحاد کے ساتھ مل کر آزادانہ بحث مباحثہ
کا موقعہ مل سکے۔ وہ ایسے امین و وکیل مقرر کرتے
ہیں۔ کہ جو دنیوی کاروبار کے عملی مسائل کی نسبت
تحقیقات کرکے انہیں حل کریں۔ ایسی بڑی بڑی انجمنیں

منعقد کراتے ہیں۔ کہ جن میں خاص خاص معاملات پر عوام اپنے خیالات کو ظاہر کر سکیں۔ اور درحقیقت یہ سب کے سب امور ترقی عامہ کے حق میں ازبس مفید ہیں۔ اُن کی میونسپل کمیٹیاں اُن کی ضلعدار کونسلیں اور پارلیمنٹ جن میں انتخابی اصول رائج ہیں۔ ہر ایک باشندہ کو عامہ خلائق کے امور میں ورک اور بحث مباحثہ کا موقعہ دے دیتے ہیں۔ اون کی یونیورسٹیوں کے کارکن اُن کے مدرسوں اور کالجوں کو انتظام میں رکھتے ہیں۔ اور اُن کے ایجوکیشن بورڈ اوسط درجہ کے لوگوں کی ابتدائی تعلیم کا اہتمام کرتے ہیں۔ اُن کے گرجوں کی کونسلیں اور اُن کے پادریوں کی انجمنیں مذہبی امورات کو طے کرتی ہیں۔ غرضیکہ خواہ معاملات جنگ ہوں یا صلح معاملات صنعت و حرفت ہوں۔ یا ملکی علمی ہوں۔ یا مذہبی مغربی قوموں میں مندرجہ بالا دیدہ منتشر کی ابتدائی دو

ہدایتوں پر پورا پورا عملدرآمد کرتی ہیں۔ اور اُس کا نتیجہ ہم سب اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ کیسے وہ شاد کام ہیں۔ برومند ہیں اور کیسی کیسی وہ آئے دن ترقیاں کرتے ہیں +

۳۔ دانشمندی

با امن میل ملاپ اور آزادانہ بحث مباحثہ انسانی ترقی کے لئے درحقیقت مقدم ضروریات میں سے ہیں۔ ہر ایک جماعت یا فرقہ جس میں آزادی کا مادہ اور کام کرنے کی طاقت موجود ہے اسے عام جلسے کرنے اور اُن میں آزادانہ بحث مباحثہ کرنے کا حق ضرور حاصل ہونا چاہیئے۔ ان حرکات کے بغیر رفاہ عام کے کام عمدگی کے ساتھ چل نہیں سکتے پس ظاہر ہے کہ مجلسی ترقی کے ابتدائی قواعد یہ ہیں کہ انسان با امن میل ملاپ رکھے۔ اور آزادانہ طور

پر اپنے خیالات کا اظہار کرے۔ اور یہ نہ ہو۔ کہ وہ اپنی آزادی کی دُھن میں اوروں کے حقوق کو پائمال کردے۔ لیکن یہ برکتیں کچھ زیادہ کارآمد نہیں ہو سکیں۔ بلکہ مہلک نتائج پیدا کر سکتی ہیں۔ اگر ہم ایک ضروری صداقت کو مدنظر نہ رکھیں۔ باہمی میل ملاپ کے معنے یہ ہیں۔ کہ اس کے پابند اس قدر قابلیت رکھتے ہیں۔ کہ اس کی ضرورت کو ٹھیک طور پر محسوس کر سکیں۔ اور اپنے کام کو لیاقت اور عقلمندی کے ساتھ انجام دیں۔ اُن کو پہلے یہ معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ ہمارے ایک دوسرے پر کیا کیا فرائض ہیں۔ اور وہ دوسروں کے حقوق کی واجبی تعظیم و تکریم کرنے کے لئے مستعد ہوں۔ کوئی خاندان خوشحال اور سرسبز و شاداب نہیں ہو سکتا جس میں شوہر اور بیوی یہ نہ جانتے ہوں۔ کہ ہمارے باہمی فرائض کیا ہیں۔ کوئی قبیلہ یا فرقہ کیا ہے ؟

صرف بہت سے خاندانوں کا مجموعہ ہے - پس لازمی ہے - کہ اِس کا ہر ایک فرد بشر اُن تمام قواعد کی پوری پوری پابندی کرے جو عوام کی بہبودی کے حق میں ہوں - جب تک یہ سب باتیں مکمل نہ ہونگی - تو باہمی میل ملاپ سے بھی فائدہ نہیں نکل سکتا - کوئی گاؤں یا کوئی قصبہ ایک ہفتہ تک بھی قائم نہیں رہ سکتا - تاوقتیکہ اس کے باشندے باہمی فرائض کو نہ سمجھیں اور اپنے ہمسایوں کے حقوق کی محافظت کی قدر کو نہ پہچانتے ہوں - اور سب کی بہبودی کے خلاف جو کام ہوں - اُن سے محترز رہنے کے لئے تیار نہ ہوں - کمپنیاں - انجمنیں اور بورڈ ایک لمحہ نہیں چل سکتے - جب تک کہ اُن کے ممبر اپنے فرائض منصبی کو نہ سمجھیں - اور اپنے اغراض و مقاصد کے حصول کے لئے ساعی نہ ہوں - احمق اور بیوقوف

بھی ایک جگہ مل کر بیٹھ جاتے ہیں۔ یا کسی بڑے
حاکم کے خوف سے امن کے ساتھ رہتے ہیں لیکن
کوئی بحث مباحثہ اس وقت تک سود مند نہیں ہو
سکتا۔ جب تک کہ اس کے شہر کا اس قدر لیاقت
نہ رکھتے ہوں کہ امور زیر بحث کو عاقلانہ طور پر سمجھ
سکیں۔ جس جگہ انگھڑہ اور اجڈ آدمی بحث کیا
کرتے ہیں۔ نتیجہ اکثر ضرر رساں ہوتا ہے۔ وجہ یہ
ہے کہ جاہل آدمیوں سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی
کہ وہ آزادانہ بحث کر کے کسی خاص نتیجہ پر پہنچیں گے
ایسا نتیجہ جو عامہ خلائق کی بھلائی کے مفید مطلب
ہو۔ وہ لوگ بوجہ اپنی ناقابلیت اور جہالت کے
اس لائق نہیں ہوتے۔ کہ کسی امر زیر بحث پر کوئی
معقول رائے دے سکیں۔ نہ انکے فہم میں ایسی
باتیں آ سکتی ہیں۔ نہ اُن کی عقل پر صیقل ہوئی
ہوتی ہے۔ اور نہ وہ اس قدر ترقی یافتہ ہوتے ہیں

کہ کسی امر پر معقولیت کے ساتھ دلائل پیش کر سکیں۔ پس مندرجہ بالا وید منتر میں صاف ثابت ہے کہ:۔

تمہارے دل دانائی سے منور ہوں

اس ہدایت میں نہایت متانت کے ساتھ ہماری توجہ کو ایک اہم امر کی جانب منعطف کیا گیا ہے یعنی اس امر کی جانب جو با امن میل ملاپ اور آزادانہ بحث مباحثہ کی تقویت کے لئے لازمی ہے۔ نیز اس اصول کو بھی ظاہر کیا گیا ہے۔ کہ ترقی نوع انسان یا عامۂ خلائق کی بہبودی میں حصہ لینے کے لئے اشد ضروری ہے۔ کہ ہمارے دل و دماغ دانائی سے منور ہوں۔ وہ لوگ جو نوع انسان کی خوشی کے ذخیرہ کو بڑھانا چاہتے ہیں۔ اُن کو ضروری ہے۔ کہ وہ اپنے دلوں کو روشن کرنے کے لئے محنت شاقہ برداشت

کریں۔ تاکہ وہ پبلک مجمعوں اور انجمنوں میں رائے
زنی اور مباحثہ کے دقیق اور نازک ذمہ واری
کے کام کے متحمل ہونے کے قابل ہو جاویں۔ اس
لئے پیشتر اس کے کہ ہم کسی ایسی انجمن یا تحریک
میں شمولیت اختیار کریں۔ کہ جو عامہ خلایق کی بہتری
کے لئے کوشاں ہو۔ ہمیں مناسب ہے کہ اُس انجمن
یا تحریک کے اصل اصول. اغراض و مقاصد اور
رفتار کا بخوبی مطالعہ کریں۔ اور اپنے دل میں اُس
کا سارا نقشہ کھینچ لیں *

اشاعت تعلیم کی نسبت مندرجہ بالا وید منتر
خاص تاکید کرتا ہے۔ اور ہدایت کرتا ہے۔ کہ انسانی
ترقی کے لئے حصول علم لازمی ہے۔ اور ہر ایک فرد
وبشر کا یہ فرض ہے کہ وہ اس بات کا لحاظ رکھیں
کہ ہم میں سے ہر ایک مناسب حد تک ضرور تعلیم
یافتہ ہو۔ یہ فرض صرف بچوں کے والدین پر ہی

نہیں چھوڑ دینا چاہیئے۔ اس امر کا تعلق صرف ایک
خاندان سے ہی نہیں ہے۔ جس کے اراکین پورے
پورے تعلیم یافتہ ہوں یا نہ ہوں۔ بلکہ اس کا اثر ساری
جماعت پر پڑتا ہے۔ یہ سرکار وقت کا فرض ہے۔
کہ وہ ایسا قانون نافذ کرے۔ کہ جس کے رو سے
ہر ایک بچہ سرکاری خرچ سے ایک خاص حد تک تعلیم
پا سکے۔ خواہ اس کے والدین رضا مند ہوں۔ یا نہ
ہوں۔ اس زمانہ میں جب کہ خاص سرکاری دباؤ
نہ ہو۔ یہ نہایت مشکل ہے کہ لوگ اپنے بچوں کو
مدرسہ میں بھیجدیں۔ آج کل کے اُستادوں کا یہ
حال ہے۔ کہ اُن کی زیادہ تر غرض اپنی اپنی جیب
بھرنے سے ہوتی ہے۔ اُنہیں اپنے شاگردوں کی بھلائی
بُرائی کا بہت کم خیال ہوتا ہے۔ اور ہو بھی کیونکر
سکتا ہے۔ چوبیس گھنٹوں میں صرف گھنٹہ دو گھنٹے
لڑکے اُن کے سامنے

ہوتا ہے اور بالعموم تعداد اس قدر زیادہ ہوتی ہے۔
کہ ہر ایک کا پہچاننا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ علاوہ
ازیں موجودہ طریقہ تعلیم میں اور بھی بہت سے
نقائص ہیں۔ جن پر کہ یہاں بحث کرنے کی چنداں
ضرورت نہیں جس قدر اس امر کی ضرورت ہے۔
کہ سرکار عالیہ سے یہ درخواست کی جاوے۔ کہ
وہ لازمی تعلیم کا قانون نافذ کرے۔ اسی قدر ضرورت
اس امر کی ہے۔ کہ لوگوں کو فوائد تعلیم سمجھائے جاویں
زمانہ قدیم میں آریہ ورت میں **گروکل** ہؤا کرتے
تھے۔ جن سے یہ مطلب پورا پورا حل ہو جاتا
کرتا تھا۔ اور ہمارے پاس اُن آزاد منش سیاحوں
کی شہادتیں موجود ہیں۔ جنھوں نے اس ملک میں
قدیم زمانہ میں یہاں تک کہ **مہابھارت** کی خانہ
جنگی کے بعد بھی سیر و سیاحت کی تھی۔ وہ کہتے
ہیں۔ کہ آریہ لوگ تمام تعلیم یافتہ تھے۔ ملک برہما

میں جہاں کہ کبھی مسلمانوں کا تسلط نہیں ہؤا۔ قدیم آریوں کا طریق گرو کل اب بھی ٹوٹی پھوٹی حالت میں پایا جاتا ہے۔ اب تک وہاں عام دستور ہے کہ لڑکے اور لڑکیاں مذہبی طور پر معبدوں میں بھیجے جاتے ہیں۔ تا کہ وہاں کچھ ابتدائی تعلیم حاصل کر سکیں۔ پروفیسر مونیر ولیم اپنی کتاب بُدھ ازم کے صفحہ ۲۵۹ پر فرماتے ہیں:۔

"ملک برہما میں تقریباً تمام لڑکے معبدگاہوں میں جن کو کیؤنگ کہتے ہیں۔ اس غرض سے بھیجے جاتے ہیں۔ کہ وہاں کچھ لکھنا پڑھنا سیکھ جائیں۔ وہ صرف مدرسوں کے طلباء شمار کئے جاتے ہیں۔ اور کچھ نہیں۔ ہمارے عہد تک تعلیم کا کام کلیتاً انہیں معبدوں کی تحویل میں تھا۔ اور اب بھی بہت کچھ انہیں کے سپرد ہے"

اس موقعہ پر ہمیں ایک غلط فہمی سے بچنا چاہیئے

اگرچہ حصول علم نہایت ضروری امر ہے - مگر ہم
قدرت کے قاعدوں کو بدل نہیں سکتے - یعنی حصول
علم کے لئے جو باتیں پہلے ہونی چاہئیں - اُن کا
بتدریج ہونا لازمی ہے - ہمیں سب سے پہلے امن
چین کے ساتھ باہم میل ملاپ سیکھنا چاہیئے پھر
ہیں اپنی ارمیاد بہبودی کے لئے یہ دو باتیں مقدم
ہیں - جب تک یہ اطمینان نہ ہو جائے - کہ ہماری
جان و مال محفوظ ہے - اور جب تک ہمیں نہ
یقین نہ ہو جاوے - کہ ہم اپنی محنت کا ثمرہ حاصل
کر سکیں گے - اُس وقت تک درحقیقت ہم کسی
قسم کی ترقی نہیں کر سکتے - پس تمام انسانی ترقی
کے لئے امن و امان کے ساتھ میل ملاپ لازمی
ہے - تحقیقات کا شوق و آزادانہ بحث مباحثہ کی
عادات علمی تفتیش سے پہلے ہؤا کرتی ہے -
یعنی علم کی جستجو اس وقت ہو سکتی ہے - جبکہ

پہلے دل میں حصول علم کا شوق پیدا ہو اور دلیل
کرنے کا مادہ نشو و نما ہو جاوے۔ اسی وجہ سے
مندرجہ بالا وید منتر میں سمم گتی کو سب سے پہلے
رکھا ہے۔ سمواد کو دوسرے درجہ پر اور سمم
گیان کو تیسرے درجہ پر اور اس وید منتر میں
ان تینوں امور کو ایسا سلسلہ وار قائم کیا گیا ہے۔
کہ ایک کا دوسرے پر انحصار ہے۔ یعنے تینوں
ٹھیک اسی وقت کام دے سکتے ہیں۔ جبکہ
یہ مناسب طریق سے عمل میں لائے جاویں۔ جن
مقامات میں ان تینوں اصولوں سے پورے طور پر
کام لیا جاتا ہے۔ وہاں بہترین نتائج خود بخود ظہور
میں آ جاتے ہیں *

ہم نے اس مضمون میں بار بار لفظ "علم"
"علمی" کو استعمال کیا ہے۔ اس کے سوائے ہمیں
اور کوئی چارہ نہیں تھا۔ وجہ یہ ہے۔ کہ سنکرت

لفظ گیان کے معنے اردو میں اگر کوئی لفظ ٹھیک دے سکتا ہے۔ تو یہی لفظ "علم" ہے۔ مگر واضح رہے کہ شرتی میں در اصل علم کے ایسے تنگ معنے نہیں ہیں۔ جیسے کہ فی زمانا لئے جاتے ہیں یہ یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ کسی غیر زبان کو سیکھ لینا علم نہیں ہے۔ خواہ اس غیر زبان میں بہت کچھ خوبیاں ہوں۔ جن سے ستیہ گیان (علم حقیقی) کے حصول میں کسی قدر امداد مل سکے۔ نہ ممالک غیر کے باشندوں کی لکھی ہوئی تواریخوں کے چند واقعات یاد کر لینے کا نام علم ہے۔ جن کو اجنبی اشخاص نے ایک خاص مدعا کو مد نظر رکھ کر لکھا ہے۔ بلکہ ان سے بجائے علم کے جہالت ترقی پذیر ہوتی ہے۔ نہ جغرافیوں میں دریا۔ جھیل۔ اور پہاڑوں وغیرہ کے نام۔ از بر کر لینے کا نام علم ہے۔۔ نہ کسی کتاب کے ایک دو صفحوں کے صحیح طور پر نقل کر لینے

کا نام علم ہے۔ نہ کسی قصہ کو پڑھ لینے کا نام علم ہے۔ علم یعنی ودیا یا گیان مندرجہ بالا منتر میں ایک خاص معنی رکھتا ہے۔ اور جب اس کے ساتھ لفظ بھم اور ایزاد ہے۔ تو اس کے معنے قریب قریب وگیان کے ہو جاتے ہیں۔ جس کی تشریح سنسکرت کے فلسفہ میں مفصل کی گئی ہے انگریزی زبان میں وگیان کا بہت کچھ مفہوم لفظ وزڈم (دانائی) سے نکلتا ہے۔ مہرشی سوامی دیانند سرسوتی جی اپنی وید بھاشیہ بھومکا میں لفظ وگیان کی تشریح اس طرح کرتے ہیں:-

"وگیان اُس کو کہتے ہیں کہ جو کرم اُپاسنا اور گیان ان تینوں سے یتھاوت اُپیوگ لینا اور پرمیشور سے لے کر تنکے تک پدارتھوں کے ساکھشات بودھ کا ہونا۔ اس سے یتھاوت اُپیوگ کا کرنا اس سے

۔ یہ دشٹے (دگیان) ان چاروں میں بھی پردھان ہے۔ کیونکہ اسی میں ویدوں کا مکھ تات پریہ ہے۔ سو یہی دو پرکار کا ہے ایک تو پرمیشور کا یتھاوت گیان اور اس کی آگیا کا برابر پالن کرنا۔ اور دوسرا یہ ہے۔ کہ اس کے رچے ہوئے پدارتھوں کے گنوں کو یتھاوت وچار کے اُن سے کاریہ سدھ کرنا ارتھات ایشور نے کون کون پدارتھ کس کس پریوجن کے لئے رچے ہیں۔ اور ان دونوں میں سے ایشور کا جو پرتی پادن ہے۔ سو ہی پردھان ہے " (رگ وید آدی بھاشیہ بھومکا صفحہ ۴۲ و ۴۳)

آگے چل کر وہ لفظ ودّیا (علم) کی اس طرح پر تشریح کرتے ہیں :-

" ویدوں میں "ودّیا (علم) ہیں۔ ایک اپرا (دنیوی) اور دوسری پرا (علم آلٰہی) ان

میں سے اپرا یہ ہے۔ کہ جس کے ذریعہ سے
پرتھوی (مٹی) اور ترن (گھاس) سے لے کر
پرکرتی (مادہ کی حالت اولین) تک پدارتھوں
کے گنوں کے گیان سے ٹھیک ٹھیک کاریہ
سدھ کرنا ہوتا ہے۔ اور دوسری پرا کہ جس سے
سرو شکتیمان برہم کی یتھاوت پراپتی (معرفت)
حاصل ہوتی ہے۔ یہ پرا ودیا اپرا ودیا سے
اتینت اُتّم ہے۔ کیونکہ اپرا کا ہی اُتم پھل
پرا ودیا ہے" (ایضاً صفحہ ۴۳)

پس صاف ظاہر ہے۔ کہ زمانہ سلف کے
ہمارے رشی وگیان یا سم گیان کے معنے بہت
وسیع لیا کرتے تھے۔ وہ اِن سے نہ صرف قیاسی
یا عملی سائینس ہی لیا کرتے تھے جن کی بنیاد
مشاہدے یا تجربے پر ہوتی ہے۔ بلکہ دھرم کو
بھی شامل کرتے تھے۔ جس میں روحانی اور

اخلاقی دونوں قسم کے اصول شامل ہیں۔ اور یہ
جن کی بنیاد الہام ربّانی یعنی ویدوں پر ہے۔
یہاں تک، کہ اپرا ودیا یعنی دنیوی علم سے بھی وُہ
اس قسم کی تعلیم مراد نہیں لیتے تھے۔ جو کہ
انسانوں کو مُلّانے بنا دیتی ہے۔ وے اس سے
پدارتھ ودّیا (سائنس) اور صنعت و حرفت
کی تعلیم مراد لیتے تھے۔ جن سے کہ اِنسان
اس دنیا کی چیزوں سے پورا پورا فائدہ اُٹھا
سکتے ہیں۔ **تھیاصوفی** یعنی برہم گیان کو بھی
وہ دو حصوں میں تقسیم کرتے تھے۔ ایک اعلیٰ
جس سے کہ انسان اپنی روحانی طاقتوں کو نشو
و نما کرکے پار برہم پرماتما کی معرفت حاصل کر
سکتا ہے۔ اور دوسرا ادنیٰ جو ہمیں دھرم یعنی
اعلیٰ درجہ کا اخلاق سکھاتا ہے۔ جس سے انسان
اپنے تمام کام راست بازی کے ساتھ انجام

دے سکتا ہے۔ اس شرتی میں ہم گیان سے
مراد سائینس اور مذہب دونوں ہیں۔ جن کو
پہلو بہ پہلو تحصیل کرنا چاہیئے۔ تاکہ ہم نہ تو
ایسی کتابوں کے کیڑے اور مغرور بن جاویں۔ کہ
دنیا کے کاروبار کرنے کے قابل نہ رہیں۔ اور
نہ کسی مفید علم و ہنر کو سیکھ سکیں۔ اور ست
اور وہمی بن جاویں۔ خاص خاص ممالک کے
مستند علم و ادب کا پڑھنا ایک شوقیہ بات ہے جس
کو ہر شخص آسانی سے نہیں کر سکتا۔ عوام الناس
کے لئے مذہب اور سائینس کی تعلیم جس میں
دستکاری کی تعلیم بھی شامل ہے۔ موزوں ہے
جس سے وہ اپنی کوششوں کو عملی کاموں میں
لگا سکیں۔ اور قدرت کی طاقتوں کو مطالعہ کرکے
اُن سے فیضیاب ہو سکیں۔ اور اس پاک پروردگار
کی کریمانہ بخششوں سے پورا پورا فائدہ اُٹھا سکیں

اور اِس طریق سے عامہ خلائق کی آسودگی ر
کو بڑھائیں۔ تعلیم وہی مکمل ہو سکتی ہے۔ جو
طالب علموں کو خود ضبطی کا سبق دے۔ اور
اُن کے دلوں میں برہمچریہ کی عظمت اور
فضیلت کو جاگزین کرے۔ ورنہ اگر طلباء کے
دلوں میں پاکیزگی کی قدر و منزلت نہ ہو۔ تو
وہ کسی مصرف کے نہیں ہو سکتے۔ جب تک
بدن میں طاقت اور توانائی نہ ہو۔ سم گیان
یعنی دانشمندی کا حاصل کرنا ناممکن ہے۔ قصہ
کوتاہ اس وید منتر میں اس اصول کی ہدائیت کی
گئی ہے۔ کہ سوسائٹی کے ہر ایک ممبر کو اپنا دل
دانائی سے منوّر کرنا چاہیئے۔ لیکن اس میں یہ نہیں
بتلایا گیا ہے۔ کہ وہ اعلیٰ سے اعلےٰ اسباب
کیا ہیں۔ جس سے کہ یہ مقصد پورا ہو سکتا ہے
یہ انسانوں کا کام ہے۔ کہ وے ہر طبقہ کے حالات

پر غور کر کے ایسے وسائل اختیار کریں۔ کہ جن سے بآسانی مطلب برآری ہو جاوے ؁

یگ اُپاسنا

یعنی

دھرم پراپتیا اور ایشور پراپتیا

اب تک ہم نے مجلسی ترقی کے اصولوں پر بحث کی ہے۔ جو مندرجہ بالا منتر کے پہلے نصف حصّہ میں منکشف کئے گئے ہیں۔ اس منتر میں صاف صاف یہ ہدائت ہے۔ کہ انسانوں کو امن چین کے ساتھ باہم میل ملاپ رکھنا چاہیئے۔ آپس میں آزادانہ بحث مباحثہ کرنا چاہیئے۔ اور اپنے دل و دماغ کو اچھی طرح سے منور کرنا چاہیئے۔ اور

یہ سب لوازمات تہذیب کی ترقی اور اخلاقی مدارج کو بلند کرنے کے لئے ضروری ہیں۔ مگر کیا یہی تمام صفات اُن اشخاص کے لئے جو عوام الناس کے متعلق اپنے فرائض ادا کرنے میں مصروف ہیں مکتفی ہو سکتی ہیں۔ ایک شخص عام جلسوں میں شریک ہونے کے لئے وقت کی پوری پابندی کر سکتا ہے۔ وہ بحث مباحثوں میں شوق اور سرگرمی سے تقریریں کر سکتا ہے۔ اور ایک اچھے خاصے تعلیم یافتہ کی طرح متحمل مزاج ہو سکتا ہے۔ بایں ہمہ وہ عامہ خلایق کے متعلق اپنے فرائض ادا کرنے میں قطعی قاصر ہو سکتا ہے۔ یعنی ممکن ہے کہ وہ وشواس گھات کرے۔ اپنی رائے کو طمع کی خاطر تبدیل کر دے اپنے اختیارات کا ناجائز استعمال کرے۔ اور اس طرح پر خود غرضی میں پڑ کر سوسائٹی کا ایک خطرناک ممبر ثابت

ہو۔ ویسے اشخاص جو عامہ خلائق کے کاروبار
کو انجام دیتے ہیں۔ لازمی ہے۔ کہ اعلیٰ درجہ
کے چال چلن اور صفات حمیدہ سے موصوف
ہوں۔ ورنہ اُن میں ایک ایسی صفت کی کمی ہوگی
جس کے بغیر اُن کا کوئی مشکل سے اعتبار کریگا
ایک پرائیویٹ شخص کی نسبت ایک پبلک آدمی اپنے
اختیارات کو ناجائز استعمال کرنے کی زیادہ تحریص
و ترغیب میں آسکتا ہے۔ اگر وہ اپنے انتظام
متعلقہ کو غفلت کے ساتھ کرے۔ یا خراب طور
پر کرے۔ یا عمداً ایمان داری کے خلاف
کام کرے۔ تو بظاہر یکایک ان باتوں کا پایۂ
ثبوت کو پہنچنا مشکل ہے۔ پس بعض اوقات خود
غرضی میں پڑ کر اُس کو ناجائز طور پر مال جمع
کرنے کی تحریص ہو جاتی ہے۔ جس سے عامہ
خلائق کے انتظام میں خلل واقعہ ہوتا ہے اور

روپیہ برباد ہو جاتا ہے۔ مثلاً اگر کسی کی سرپرستی
سے جائز فائدہ اٹھایا جاوے۔ یا رشوت لے کر
سرکاری عہدے فروخت کئے جاویں۔ تو ایک اعلیٰ
درجہ کے سرکاری عہدہ دار کے حق میں یہ
حرکات کوئی نمایاں اثر پیدا نہیں کرتیں۔ بلکہ بد
دیانت افسر کی بد دیانتی سے جو لوگ نقصان
اُٹھاتے ہیں۔ وہ بھی یک بیک ان حرکات کے
مذموم نتائج کو محسوس نہیں کرتے۔ کیونکہ براہ
راست کسی خاص ایک شخص سے ان اعمال کا
تعلق نہیں ہوتا۔ پس شرتی میں ایک اور ضروری
سچائی کی تاکیداً ہدایت کی گئی ہے۔ چنانچہ منتر
کے دوسرے حصہ میں اس کی مفصّل تشریح موجود
ہے۔ سوال یہ ہے کہ سرکاری آدمیوں یا ایسے
اشخاص کا جو عامہ خلائق کے کاروبار سے تعلق
رکھتے ہیں۔ چال چلن کیسا ہونا چاہئیے۔ اس کا

جواب یہ ہے۔ کہ "اُن کو زمانہ قدیم کے دیو یعنی صاحب علم و معرفت راستی شعار عالموں کی طرح بیوہار (عمل)، کرنا چاہیئے" پبلک آدمیوں کو ہر ایک کام نیکی اور صداقت کے ساتھ کرنا چاہیئے۔ اور نیک اور پارسا آدمیوں کی یہی صفت ہے۔ کہ جس کام کو وہ کریں۔ نیک نیتی اور ایمان داری کے ساتھ کریں شرتی میں کوئی مہمل یا مجمل بات نہیں ہے۔ بلکہ صاف طور پر اُن اغراض کے متعلق مشرح ہدایات دیتی ہے۔ جن سے متحرک ہوکر زمانہ قدیم کے بزرگ اور نیک مرد بھلائی کے کام کیا کرتے تھے ✤

فرض کے لغوی معنے ایک قسم کا قرض ہے لیکن عام طور پر اس کے یہ معنے لیئے جاتے ہیں۔ کہ جو کچھ انسان کو کرنا واجب ہے" اگر ہم اس کے اصلی مروجہ معنوں کو نظر تعمق سے دیکھیں۔ تو ہمیں معلوم ہو جاویگا۔ کہ شرتی میں جو لفظ بھاگ آیا

ہے وہ زیادہ زور کے ساتھ بالکل صحیح معنے لفظ
فرض کے دیتا ہے۔ اب سوال یہ ہے۔ کہ ہمارا فرض
کیا ہے۔ جواب یہ ہے کہ جو کام ہمارے متعلق کئے
گئے ہیں۔ یا جو ہمارے حصہ میں آئے ہیں۔ اُن کو
ٹھیک طور پر انجام دینا۔ شرتی کا لفظ بھاگ فرض
کے لغوی اور اصطلاحی معنے دیتا ہے۔ اگر ہم اپنے کام
کے ہر ایک حصہ کو جو عامہ خلائق کے متعلق ہے۔
ایمان داری کے ساتھ انجام دیں۔ یہ کہا جا سکتا ہے
کہ ہم نے اپنا فرض ادا کر دیا۔ اگر کوئی شخص کسی
سوسائٹی کا میر مجلس ہے۔ تو سب سے پہلے اُسے یہ
مناسب ہے۔ کہ اپنے عہدہ کے فرائض کو صحیح طور
پر دریافت کرے۔ اور بعد ازاں انہیں حتی الامکان
بہترین طریق سے انجام دینے کی کوشش کرے
اگر کوئی شخص کسی سوسائٹی کا ممبر ہے۔ اسے
واجب ہے۔ کہ اُس سوسائٹی کے حالات کی پوری

پوری خبر رکھے۔ اور نہ صرف اُس کے جلسوں میں شریک ہؤا کرے۔ اور مُنہ بند کئے بیٹھا رہے۔ کسی بات میں درک نہ دے۔ بلکہ اُسے مناسب یہ ہے۔ کہ اُس سوسائٹی کے اغراض و مقاصد کی ترقی اور اشاعت کے لئے اپنے وقت کا کچھ حصہ خرچ کرے۔ اور اُس کی بہتری کے لئے تن من دھن سے کوشش کیا کرے۔ اسی طرح سے ہمیں اپنے خاندانی تعلقات میں اپنے فرائض کو راستبازی کے ساتھ ادا کرنا چاہیئے۔ خواہ والد کی حیثیت میں خواہ شوہر کی خواہ لڑکے کی یا بھائی کی +

جیسا کہ اوپر بتلا چکے ہیں۔ لفظ **بھاگ** قابل پرستش وجود برتر یعنی پرماتما کے لئے بھی آتا ہے۔ کیونکہ مصدر **بھج** جس سے نکلا ہے۔ خدمت کرنے تعظیم کرنے اور پرستش کرنے کے معنوں میں بھی آتا ہے۔ اب ہم کیسے اس لفظ کے دونوں

معانی دھرم اور بُرم یعنی فرض اور خدا پوجا یا
پرستش کے فعل سے مطابقت رکھتے ہیں۔ جس
کو کہ آخری فعل اُپاستے ظاہر کرتا ہے۔ تھوڑا
سا غور کرنے سے ظاہر ہو جاویگا۔ مشرق میں یہ
دکھلایا گیا ہے۔ کہ زمانہ قدیم کے داناؤں اور
پارساؤں کا نمایاں اور خاص وصف یہ تھا۔ کہ
وہ نشکام کرم کرتے تھے۔ یعنی جس کام کو کرتے
تھے۔ خود غرضی سے نہیں کرتے تھے۔ اور
فی الحقیقت کوئی شخص سوسائٹی کا ایک فیض
رساں رکن نہیں بن سکتا۔ جب تک کہ وہ
نیت کا صاف اور ارادے کا پکّا نہ ہو۔ اور
عامہ خلائق کی بہبودی کو مد نظر رکھ کر کام نہ
کرے۔ اب ہمارے دل میں سوال یہ پیدا ہوتا
ہے۔ کہ اِس قسم نشکام کرم کرنے کی سپرٹ
(بھاؤ) کیونکر پیدا ہو۔ اور عام لوگوں کے دلوں

ہیں اس قسم کے اعلیٰ بھاؤ کیونکر جاگزین ہوں۔
بالخصوص سرکاری اور کاروباری آدمیوں میں وہ
کونسی حرکت دینے والی طاقت ہے جو کمزور اور
ڈانواں ڈول آدمیوں میں ایسے اعلےٰ درجے
کے ارادے پیدا کردے۔ اور اُنہیں ایسی قوت
عطا کرے۔ کہ جس کی برکت سے وہ تحریص و
ترغیب کے وقت اپنے آپ کو سمبھالے رہیں۔
منتر میں ہماری توجہ دو امور کی طرف مائل کرائی
گئی ہے۔ جن سے متحرک ہو کر زمانہ کے دانشمندوں
اور عابد نشکام کرم کیا کرتے تھے۔ اِس شرتی
میں ہمیں بڑے زور کے ساتھ یہ سمجھایا گیا ہے
کہ اُنہیں آدمیوں پر عامہ خلائق کی بہبودی کے
کاموں میں بھروسہ رکھنا چاہیئے۔ جو اپنے فرائض
کو فرائض سمجھ کر انجام دیتے ہیں۔ یا اِس نیت
سے اُن کاموں کو کرتے ہیں۔ کہ اُن سے حق تعالیٰ

کی خدمت یا فرمانبرداری متصور ہے۔ بالآخر کم از کم
ترقی تہذیب اور نوع انسان کی ترقی راحت کے لئے
یہ ضروری ہے۔ کہ ہم نشکام بھاؤ سے کام کریں۔
اور اپنے فرض کو فرض سمجھ کر انجام دیں۔ اور یا
اِس نیت سے اُن کاموں کو کریں۔ کہ جس میں پرماتما
کی رضاجوئی متصور ہو +

ایسے آدمی بھی ہو گزرے ہیں۔ جنہوں نے بعض
وقت عامہ خلائق کی بہبودی کے متعلق بڑے بڑے
کام کئے ہیں۔ مگر خود غرضی سے بعضے ایسے ہوئے
ہیں۔ کہ حشمت و اقتدار کی خواہش سے محرک ہو کر
اُنہوں نے کار نمایاں کئے۔ بعض نے صرف لوگوں
کی واہ واہ اور تعریف کرنے کی خاطر بہت کچھ
کیا۔ مگر در اصل یہ تمام اغراض یا نیتیں ادنیٰ درجہ
کی ہیں۔ اور جو آدمی اِن تینوں سے کام کرتے ہیں۔
اُن پر وقت ضرورت کسی قسم کا اعتبار نہیں کیا

جا سکتا۔ یہ آدمی اس قسم کے ہوتے ہیں۔ کہ
اپنے قول و فعل پر قائم نہیں رہتے۔ اور جس
کام کو کرتے ہیں۔ اُسے خطرے اور مشکلات
کے وقت چھوڑ دیتے ہیں۔ اور بسا اوقات خود
غرضی میں پھنس کر بے ایمانی کی حرکات کرنے
لگ جاتے ہیں۔ اور لوگوں کے اعتماد کا خون کر دیتے
ہیں۔ یعنی لوگ اُنہیں اپنا سمجھ کر بہت سی راز کی
باتیں بتلا دیتے ہیں۔ اور یہ اپنی کسی ذاتی غرض
کو مدنظر رکھ کر اُنہیں اُن کے حریفوں پر افشاء
کر دیتے ہیں۔ یا عوام کی طرف سے جو اعتبار کے
مالی یا انتظامی کام انکے سپرد کئے جاتے ہیں۔
اُن میں بد دیانتی سے کام لیتے ہیں۔ بہت سے
حبیب الوطن ایسے ہو گزرے ہیں۔ جنہوں نے صرف
حب الوطنی کے بلے غرضانہ خیال سے متحرک ہو کر
کچھ کام کئے ہیں۔ وہ ایسے بھی کچھ ہوئے

ہیں۔ کہ جنہوں نے صرف نوع انسان کو اپنی کوششوں کا مرکز قرار دے کر جد و جہد کی ہے۔ مگر یہ خیالات گو بذاتہٖ اعلیٰ درجہ کے ہیں۔ مگر کم آدمیوں میں یہ پائے جاتے ہیں۔ اور اُن کے نتائج بھی یکساں اور یقینی نہیں ہوتے ہیں۔ یعنی ایسے لوگ جو کچھ کام وہ کرتے ہیں۔ اُن کا کچھ نہ کچھ نتیجہ ہوتا تو ضرور ہے۔ مگر نہیں کہا جا سکتا۔ کہ اُن کا اثر بہر حال دیرپا ہوتا ہے۔ یا عارضی۔ وہ لوگ جو تمام بنی نوع انسان کی بھلائی کو مد نظر رکھ کر کسی کام کو کرتے ہیں۔ اُن کا خیال تو صحیح ہے۔ مگر اُن کا کوئی ایک کام فی الفور تمام بنی نوع انسان پر مؤثر نہیں ہو سکتا۔ پھر خیال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا کیا جاوے۔ لوگ کہتے ہیں۔ کہ ہمارے ہر ایک کام سے جتنی زیادہ بھلائی ہو سکے۔ اُتنی ہی کرنی چاہیئے۔ یورپ کے مشہور

معروف فیلسوف جان سٹوارٹ مل صاحب کا
یہی عقیدہ تھا۔ مگر غور سے دیکھا جاوے۔ تو عملی طور
پر کئی ضروری سوالات حل کرنے میں یہ عقیدہ قاصر
ثابت ہوتا ہے۔ یہ تحقیق کرنا کہ ہمارا کوئی خاص کام
عامہ خلائق کی بہبودی پر کیسا اثر پیدا کریگا۔ دراصل
نہائیت ہی مشکل کام ہے۔ اور اگر کوئی شخص
اس عقیدہ کی پوری پابندی کرے۔ تو بظاہر کوئی
شے اُس کی رہنمائی کو نظر نہیں آتی۔ یعنی کسی کام
کے کرنے سے پیشتر اُسے یہ اطمینان نہ ہو سکتا۔
کہ اس کام کا انجام کیا ہوگا۔ دوسری طرف محض
حب الوطنی صرف اُس حالت میں ہی ہمیں کسی قدر
رہنما کا کام دے سکتی ہے۔ جبکہ ہمارے وطن
کا کسی دوسرے ملک کے ساتھ اختلاف پڑے۔
یا اُس کا اس سے مقابلہ ہو جاوے۔ لیکن ہماری
روز مرّہ کی زندگی کے بیشمار کاموں میں یہ (حب الوطنی

ہماری کچھ بھی رہنمائی نہیں کر سکتی۔ وجہ یہ ہے۔
کہ روز مرہ ہمیں اپنے ہی ہموطنوں سے واسطہ
پڑتا ہے۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ محض حب الوطنی رفتہ
رفتہ ہم میں تنگ خیالی کو پیدا کر دیتی ہے۔ اور
ایک دن ہمیں پورا خود غرض بنا کر چھوڑتی ہے۔
کیونکہ یہ ظاہر ہے۔ کہ ہماری حبّ الوطنی بتدریج تنگ
سانچوں میں ڈھلنی شروع ہو جاتی ہے۔ ملک سے
اُتر کر ہم صوبہ پر آجاتے ہیں۔ صوبہ سے قسمت پر
اور قسمت سے ضلع پر حتیٰ کہ ہم (جیسا کہ ہمارے
دیش میں اِس وقت پایا جاتا ہے) گاؤں پر آ
جاتے ہیں۔ یعنی ہماری حبّ الوطنی ہمارے گاؤں
تک محدود ہو جاتی ہے۔ اور ہماری برادری تک
ہمارا انس پہنچتا ہے۔ ہم یہ خواہش کرنے لگتے
ہیں۔ کہ اور بھی گر کر ہمارے برابر ہو جاویں
اور ہم اپنی چھوٹی سی برادری کو ایک قوم خیال

کرنے لگتے ہیں۔ اور یہ خیال کر لیتے ہیں۔ کہ ہمیں
صرف اسی کی خیر منانی چاہیئے۔ اور جب ہماری
برادری کے نفع کا ہمارے دیگر ہموطنوں کے نفع
سے ٹکراؤ ہوتا ہے۔ تو اُس وقت ہم اپنی برادری
کے مقابلہ میں اپنے تمام دیگر ہموطنوں کے زیادہ
نفع نقصان کی چنداں پرواہ نہیں کرتے شرتی
میں ہمیں جتلایا گیا ہے کہ ہم کبھی ایسے تنگ خیالات
کو اپنے دل میں جگہ نہ دیں۔ اور نہ عامہ خلائق
کے فرائض کے متعلق اس قسم کی تنگدلی ہماری
ذات سے ظہور پذیر ہونی چاہیئے۔ ہر ایک معاملہ
کو فیصلہ کرنے سے بیشتر ہمیں چاہیئے۔ کہ ہم دل
سے یہ سوال کریں۔ کہ ہم اپنے فرائض کو معاملہ
زیر تجویز کے متعلق کیسے بوجہ احسن انجام دے
سکتے ہیں۔ یا دوسرے الفاظ میں ہم پرماتما کے
حکم کی بہترین تعمیل کس طریق سے کر سکتے ہیں۔

صرف انہیں دو اصولوں کو ہر وقت اور ہر لحظ
تمام کار و باری آدمیوں کو مد نظر رکھنا چاہیئے۔
اور انہیں پاک اصولوں سے متحرک ہو کر بھلے
آدمیوں نے بھلے کام کئے ہیں۔ یہاں تک کہ
وے لوگ بھی جو کہ پرماتما کی ہستی سے منکر ہیں۔
اگر متانت کے ساتھ اپنے دل سے یہ سوال کرینگے
کہ اُن کا فرض کیا ہے۔ تو وے اپنے ضمیر میں
کافی روشنی پاویں گے۔ وے لوگ جو کہ ایشوری
گیان (وید) کی روشنی میں چلتے ہیں۔ البتہ زیادہ
اطمینان اور بھروسہ کے ساتھ آگے قدم بڑھانے
کے قابل ہونگے +

اخیر میں ہم اختصار کے ساتھ راست روی
کے اُن چار ابتدائی اصولوں کا اعادہ کرتے ہیں۔
جو شرتی میں مشرح بیان کئے گئے ہیں۔ جن
کی خاص غرض نوع انسان میں ترقی تہذیب ہے۔

اِن میں سے پہلا اصول **سم گتی** کا ہے۔ یعنی کسی اعلےٰ مقصد کو حاصل کرنے کے لئے عقلمند آدمیوں کا محبت کے ساتھ آپس میں میل ملاپ یہ صورت ہر ایک طبقہ انسانی کی ہر ایک قسم کی ترقی اور بہبودی کی بنیاد ہے۔ اور جب تک ہم اِس اصول کی پابندی کرتے ہیں۔ ہمارا قدم ترقی آگے کو پڑتا ہے۔ بصورت دیگر ہم ترقی معکوس کرنے لگتے ہیں۔ دوسرا اصول **سمواد** کا ہے۔ یعنی حجت تکرار مخالفانہ بحث کو چھوڑ کر باہم محبت کے ساتھ ہر ایک سوال پر جو پیش ہو۔ بحث مباحثہ کرنا۔ یعنی اصول اوّل کے بعد یہ اصول لازمی ہے۔ کیونکہ تمام عام خلایق کے نفع و نقصان کے متعلق صحیح رائے قائم کرنے کے لئے اس کا ہونا ضروری ہے۔ تیسرا اصول **سنجان** کا ہے۔ اور اُس کا منشاء یہ ہے۔ کہ اِنسان اپنے دل و دماغ کو روشنی

علم سے منوّر کرے۔ اور اِس سے مراد یہ ہے۔
کہ ہم جس بارہ میں بحث کرنا چاہتے ہیں۔ اُس
کے متعلق ہر ایک پہلو کو بخوبی سمجھ سوچ لیں ۔
چوتھا اصول جو کہ شائد سب سے زیادہ ضروری
ہے۔ **بھاگ** اوپاسنا کا ہے۔ ہر ایک کاروباری
آدمی کو چاہیئے ۔ کہ جو کچھ کام وہ کرے۔ اپنا
فرض سمجھ کر کرے۔ یا اس نیّت سے کہ اُس میں
محض رضا جوئی حق متصور ہو۔ اب اِس کا فیصلہ
ہم اپنے ناظرین کے انصاف پر چھوڑتے ہیں۔ کہ یہ
ایک وید منتر کیسے اعلیٰ درجہ کے سبق
سکھاتا ہے۔ اور کس خوبی اور مسلسل تفصیل
کے ساتھ ایسی عمیق صداقتوں کا انکشاف کرتا ہے
اگر وید جیسا کہ بعض کوتاہ فہم اور متعصّب اشخاص
کا خیال ہے۔ بعض ابتدائی زمانہ کے شاعروں
کی تصنیف ہیں۔ تو کیا یہ انتہا درجہ کی تعجب خیز

بات نہیں ہے۔ کہ اِس کے ایک منتر میں علم مجلسی کے دقیق مسائل کو کس طرح قابل اطمینان طور پر حل کیا گیا ہے۔ اور ترقی تہذیب کے لیئے ایسے اصول اور قواعد بتلائے گئے ہیں۔ کہ جن کو آج کل کے فلاسفروں کی دماغی فتوحات سمجھا جاتا ہے ؛

اِس مضمون کو ختم کرنے کے پیشتر ہم تھوڑا سا کچھ اور عرض کرنا چاہتے ہیں۔ وہ لوگ جن کے دماغ میں یہ خیال جاگزین ہے۔ کہ **مشرق** پر **مغرب** کو بہر حال فوقیت ہے۔ اُنہیں ہرگز یہ خیال نہیں کرنا چاہیئے۔ کہ اِس **وید منتر** کی جو کچھ تشریح کی گئی ہے۔ وہ راقم کے دماغ کا نچوڑ ہے۔ یا یہ کہ **مغربی** تعلیم کی بدولت اس قسم کے خیالات اس سے ظہور پذیر ہوئے ہیں۔ در حقیقت راقم کا اتنا ہی کام تھا۔

کہ اس وید منتر کے اصلی معنے و مطلب
کو اُردو لباس پہنا کر ناظرین کے روبرو پیش
کردے۔ اور اس میں ذرا بھی شک و شُبہ
کی گنجائش نہیں ہے۔ کہ کلیتاً یہ ویدک
خیالات ہیں۔ اس وید منتر میں ہر گز
مہمل اور بے معنے اور بے ربط الفاظ نہیں
ہیں۔ ہر ایک لفظ سادہ اور پُر معنے ہے۔
جن کے معنے علیحدہ علیحدہ صاف طور پر واضح
ہیں۔ اور ان میں کھینچ تان کو مطلق دخل
نہیں ہے۔ اس میں کوئی بات اپنی طرف سے
اضافہ نہیں کی گئی۔ اگر آپ کو کسی قسم کا
وہم ہو۔ معمولی مدرسوں کی سنسکرت لغتوں میں
ایک ایک لفظ کے معنے نکال کر دیکھ لیجئے۔ یا
پنڈت سے دریافت کر لیجئے۔ خواہ وُہ پراچین
سنسکرت کا جاننے والا ہو۔ یا نوین کا۔

اس منتر کے سب یکساں معنے کریں گے۔ لیکن
ہر قسم کے شک و شبہ کو رفع کرنے کے لئے
ہم رگ وید آدی بھاشیہ بھومکا مصنفہ
مہرشی سوامی دیانند سرسوتی
جی مہاراج سے اس منتر کی تفسیر نقل
کرتے ہیں۔ یہ واضح رہے۔ کہ سوامی جی
مہاراج کسی غیر زبان سے مطلق آشنا نہیں
تھے۔ اور اپنی تمام عمر میں انہوں نے کسی
مغربی مصنف کی ایک کتاب بھی ملاحظہ نہیں
فرمائی تھی ۔

مہرشی سوامی دیانند جی کی تفسیر

ایشور ہدایت کرتا ہے کہ :-
اے انسانو! تم میرے تابع ہو کے پر
انصاف اور بے تعصب راستی کی صفت سے

موصوف دھرم پر چلو۔ اور ہمیشہ اُس پر قائم رہو۔ اس دھرم کو حاصل کرنے کا طریق یہ ہے:۔

(संगच्छध्वं) ہر قسم کی مخالفت کو چھوڑ کر امن و امان کے ساتھ آپس میں ملو۔ تا کہ تمہارے درمیان اعلیٰ درجہ کا سکھ ہمیشہ ترقی پاوے۔ اور تمام دُکھ مٹ جائیں +

(संवदध्वं) تم آپس میں مل کر حجت تکرار اور مخالفانہ بحث کو چھوڑ کر باہم محبت کے ساتھ بطریق سوال و جواب گفتگو کرو۔ تا کہ تمہارے درمیان سچے علوم اور عمدہ صفات ترقی پاویں۔ اور تم صاحب علم و معرفت بن جاؤ۔

(संवो मनांसि जानताम्) تم ہمیشہ ایسی لگاتار سعی و کوشش کرو۔ کہ جس سے تمہارے دل علم کے نور سے روشن اور آنند سے

بھرپور ہوں- تم کو دھرم ہی پر عمل کرنا چاہیئے- ادھرم اختیار نہیں کرنا چاہیئے ٭

देवाभागं यथा पूर्वे संजानाना उपासते ॥

جس طرح زمانہ قدیم کے دیو یعنی صاحب علم و معرفت راستی شعار طرف داری اور تعصب سے خالی عالم اور ایشور اور دھرم کے حکم کو عزیز جاننے والے تمہارے بزرگ تمام علوم سے ماہر اور لائق و فائق گذر چکے ہیں- مجھے بھاگ یعنی بھجن (اطاعت یا عبادت) کرنے کے لائق قادر مطلق وغیرہ صفات سے موصوف ایشور کے حکم کی تعمیل یا میرے بتائے ہوئے دھرم پہ عمل کرتے رہے ہیں- اسی طرح تم بھی اسی دھرم کے پابند رہو- تا کہ وید میں بتائے ہوئے دھرم کا تم کو بلا شک و شبہ علم
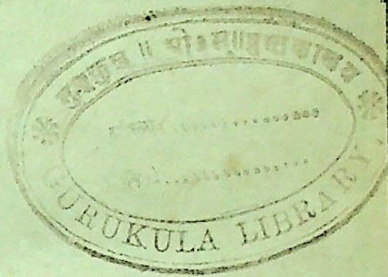
ہو جاوے +

اوم شم

صیغہ آریہ پُستک پرچار کے ٹریکٹوں کی فہرست

صیغہ آریہ پُستک پرچار

قائم کردہ

شریمتی آریہ پرتی ندھی سبھا پنجاب

کی طرف سے

ہر ماہ دو نئے ٹریکٹ قابل دید شائع ہوتے
ہیں - ۶ روپے سالانہ ادا کرنے پر ہر ایک شخص
مستقل خریدار بن سکتا ہے

درخواست بنام وزیر چند ادھشٹاتا صیغہ
آریہ پُستک پرچار جالندھر شہر